اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماهنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۵

شمارہ ۷

رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

اپریل ۱۹۹۰ء

بنیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون : عبدالقیوم حقانی

مُدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم : شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

نقشِ آغاز ———— ادارہ ۲
(روبہ زوال کمیونزم / شکست وریخت کے مرحلہ میں)
انسانیت کے محسنِ اعظم ؐ ———— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۷
عورت کی سربراہی کا مسئلہ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی آئینی مساعی ———— مولانا صلاح الدین حقانی ۵
فتنۂ قادیانیت اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ———— مولانا مدرار اللہ مدرار / جناب طالب ہاشمی صاحب ۲۵
مسئلہ کشمیر (ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں) ———— مولانا قاضی عبداللطیف مدظلہ ۳۵
اسلامی قوانین / جامعیت و اہمیت ———— مولانا مفتی غلام الرحمٰن ۴۱
افکار و تاثرات ———— قارئین بنام مدیر ۵۱
(روزنامہ نوائے وقت کا ادارتی نوٹ / وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں
افریقہ میں قادیانیت کا تعاقب / حفظِ قرآن پر سزا میں تخفیف
ضربِ مومن اور الحق کی ادارتی تحریر / اہلِ سنت کی بیداری)
(ظہیر میر ایڈووکیٹ / جناب اکرم واسطی لاہور
محمد انور فاروقی / ابوالقاسم حقانی
جنرل حمید گل / انجمن سپاہِ صحابہؓ)
[illegible]لیبی دنیا اور ہم ———— شاہ بلیغ الدین ۵۷
[illegible]ارف و تبصرۂ کتب ———— مولانا عبدالقیوم حقانی ۶۱

پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ [illegible] شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

رو بہ زوال کمیونزم
شکست و ریخت کے مرحلہ میں

ایک وقت تھا جب مشرقی یورپ کے ممالک میں (محاورۃً) ایک تنکا بھی ماسکو کی مرضی و اجازت کے بغیر نہیں ہلتا تھا اور ایک اب وقت ہے کہ روس کی ذیلی اور طفیلی مقبوضہ ریاستیں ایک ایک کر کے کمیونسٹ پارٹی کی آمریتوں کو اٹھا پھینک کر نیا انقلابی راج قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔ اس وقت مشرقی یورپ میں کمیونزم سے بغاوت کا طوفان اُٹھ رہا ہے، دیوارِ برلن گر گئی ہے، مشرقی اور مغربی جرمنی آپس میں بغلگیر ہو گئے ہیں۔ ہنگری، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ، مشرقی جرمنی اور پولینڈ میں یکے بعد دیگرے تابڑ توڑ کمیونسٹ حکومتیں ٹوٹتی رہیں۔ لیتھونیا، رسٹونیا، لیٹویا اور تاجکستان بغاوت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں اور آذر بائیجان، تاجکستان، جارجیا، آرمینیا اور بالٹک وغیرہ میں مسلسل آزادی کے مطالبات آتش فشاں بننے والے ہیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ ۲۵۱)	اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو روئے زمین پر فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تو جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے۔

کمیونزم جس طرح ظلم و بربریت اور نوکِ خنجر سے نافذ کیا گیا تھا اُسی طرح آج بزورِ شمشیر اس سے گلو خلاصی کی تحریکیں عروج پر ہیں۔ کمیونسٹوں کا دعویٰ تھا کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کو منسوخ کر کے ایسا رفیع الشان سوشلسٹ معاشرہ قائم کریں گے جس کی مثال یورپ و امریکہ سمیت دُنیا کے کسی بھی خطہ میں نہ مل سکے گی۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے ممالک کی طرح خود پاکستان میں بھی رُوسی گماشتے سوویت یونین کو "جنتِ ارضی" قرار دیتے تھے۔ مگر جہالت کا پردہ چاک ہوا کہ مغرب سمیت پوری دنیا کو چیلنج کرنے والے خود اپنے فرسودہ نظریات، خدا بیزار اور باطل نظام کی ابتری سے مار کھا گئے ؎

ہم نے دیکھا ہے وہ بت توڑ دیئے جاتے ہیں
جن میں ہو جاتا ہے اندازِ خدائی پیدا

رُوس نے اپنے بہتر سالہ دورِ عروج میں جدید سے جدید اسلحہ بنانا سیکھ لیا، اس کے میزائل ہزاروں میل تک مار کر

سکتے ہیں اور ٹھیک نشانہ پر بیٹھتے ہیں۔ اس کے جہاز سمندروں کی چھاتیوں کو چیرتے، فضاؤں میں تیرتے اور سیاروں کو چھوتے ہیں، مگر اس کے باوجود افغانستان سے روسی فوجوں کو بہت بے آبرو ہو کر نکلنا پڑا اور اب وہاں کی کٹھ پتلی حکومت روس کی مکمل پشت پناہی کے باوجود دم توڑتی دکھائی دے رہی ہے ـــــ آخر یکدم روس کی فولادی قوت، نظریاتی پختگی اور سیاسی عظمت کی یہ عمارت دھڑام سے کیوں آگری؟ یہی ایک نکتہ سمجھنے کا ہے جو فطرت کے راز اور ربِ واحد و قہار کی قدرت کو واشگاف کرتا ہے۔ ہاتھی کی ڈیل ڈول کو دیکھئے اور ننھی سی چیونٹی کے جُثّے کو بھی! لیکن اگر یہی ننھی چیونٹی ہاتھی کی سونڈھ میں داخل ہو جائے تو اس کی ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے۔ بہتّر برس سے دنیا سوویت یونین کے ہاتھی کی یلغار دیکھتی رہی، اقوامِ عالم اس کی طاقت اور قوت سے خائف اور مرعوب رہیں۔ مگر دنیا صرف اس کے اسلحی، عسکری اور نیوکلیر یائی طاقت ہی دیکھتی رہی، اس کے ۲۷ کروڑ شہریوں کی زندگیوں کی کیفیت روسی پروپیگنڈے میں ملفوف دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہی ـــــ اور اب جب روسی ہاتھیوں کی یلغار کا افغان مجاہدین کی چیونٹی کی سی رفتار مگر جہادرانہ للکار اور غازیانہ کردار نے کام تمام کر دیا تو پوری دُنیا پر یہ راز واضح ہو گیا کہ روسی پروپیگنڈے کے بالعکس خود روس میں بھی ؏

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

لینن نے سرمایہ دارانہ نظام کو شکست دینے کے لیے مارکسزم سوشلزم کا پرچم بلند کیا تھا مگر گورباچوف نے اس کے مشن کو اُسی نہج پر آگے بڑھانے سے انکار کر کے گویا مارکسزم اور لینن ازم کی شکست کا برملا اعتراف کر لیا ہے اور تہذیبِ روس نے خود اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کر لی ہے کہ شاخِ نازک پہ آشیانہ میں تندوتیز ہواؤں کے مقابلہ کی تاب کہاں؟ آشیانہ لینن کو تو عوام میں عقل و شعور کی ایک لہر لے ڈوبی ہے۔

دُنیا بھر میں انقلابِ نو کا نکتۂ آغاز "جہادِ افغانستان"

اس نئے دور میں دنیا بھر میں تبدیلیوں کا نکتۂ آغاز جہادِ افغانستان ہے۔ افغان مجاہدین نے محض جرأتِ ایمانی حریت پسندی اور غیرت وحمیت اور جہادِ اسلامی کے جذبے سے سرشار ہو کر مسلسل گیارہ سال تک عزیمت واستقامت کے ساتھ ۱۵ لاکھ افراد کی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جس طرح روس کو عبرتناک شکست دی اُس نے ابرہہ کے ہاتھیوں اور ابابیلوں کے قرآنی واقعہ کی یاد تازہ کر دی۔

یہ افغانیوں کی تحریکِ آزادی کی برکتیں ہیں کہ مشرقی یورپ کے ممالک غلامی کی زنجیریں توڑتے اور مستقبل کی نقشہ گری کر رہے ہیں۔ پرانے جمے جمائے نظام ٹوٹ رہے ہیں، حال کی کوکھ سے نیا مستقبل جنم لے رہا ہے۔ روس اپنا پرانا نظریاتی لبادہ اتار کر ایک نیا جامہ زیبِ تن کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ خود روسی معاشرہ شکست وریخت اور بڑی

تبدیلیوں سے گذر رہا ہے۔ چین بھی اشتراکیت کی گرفت سے نکل کر اب ایک نئے اور نسبتاً آزاد معاشرے کی جانب قدم بڑھا رہا ہے۔ افریقہ میں نمیبیا جنوبی افریقہ کے تسلط سے آزاد ہوا کشمیر غلامی کی زنجیریں توڑ رہا ہے ؎

ہر ایک سر میں ہے سودا ئے امتحان یا رب
کشش کہاں سے یہ دار ورسن میں آئی ہے

خود گوربا چوف بھی درحقیقت افغان جہاد ہی کی پیدا کردہ قیادت ہے، وہ آج جس منصب پر فائز ہیں وہ انہیں کبھی میسر نہ آتا اگر افغانستان اپنی سرزمین کو روسی افواج کا قبرستان نہ بناتا۔ جہادِ افغانستان نے رُوس کے داخلی اتحاد و یکجہتی میں جو دراڑیں ڈالی ہیں وہی رُوسی قیادت کی نئی پالیسیوں کی محرک ہیں۔

غرض افغانوں کے خون کی حرارت نے ساری دُنیا کے مظلوموں کو نئی جرأت دی، نیا حوصلہ دیا اور ظالم سامراج کا حوصلہ توڑ دیا، اس کا طلسم سامری غارت کر دیا۔ آج جس کو جہاں آزادی حاصل ہو رہی ہے وہ افغان مجاہدین کے خون کا ممنونِ احسان ہے، وہ اپنے سرخ لہو کی ندیاں نہ بہاتے تو سرخ سامراج سے آج کسی کو چھٹکارا نصیب نہ ہوتا۔

سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام

کمیونزم ایک نظریہ اور نظامِ حیات ہے، رواں صدی کے آخر تک یہ رخصت ہونے والا ہے، کچھ لوگ جمہوریت کو اس کی جگہ لینے کا باور کرا رہے ہیں مگر مغرب کی لادین جمہوریت ہرگز اس کے خلا کو پُر کرنے کی اہل نہیں۔ کیونکہ جمہوریت محض ایک طریقِ سیاست وحکومت ہے نظامِ حیات اور نظریہ نہیں ــــــ سیکولر جمہوریت یا تو سرمایہ داری کو مستحکم کرتی ہے یا پھر اُس فسطائیت کو ابھارتی ہے جس کا تجربہ اٹلی اور جرمنی میں مسولینی اور ہٹلر کی صورت میں ہو چکا۔ لہٰذا اگر عالم انسانیت کو اکیسویں صدی میں امن و آشتی سے ہمکنار رکھنا مقصود ہے تو اس نظریاتی خلا کو (جو کمیونزم کے خاتمے سے پیدا ہوگا) مثبت نظامِ فکر جو نظامِ شریعت کے سوا دوسرا ہرگز نہیں ہو سکتا، سے بدلنا ہوگا۔

کیا دنیا بھر کی اسلامی انقلاب کی داعی قوتیں اور نظامِ شریعت کے نفاذ کی تحریکیں اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں؟ ــــــ یہی ہمارا "آج" کا وہ بنیادی سوال ہے جس کا جواب ہمارے "کل" کی صورت گری کرے گا۔

رواں صدی کے دوسرے عشرے میں عالم انسانیت نے کمیونزم کے اقتدار کی صورت میں سرمایہ داری کو مسترد کر دیا تھا، نویں عشرے میں کمیونزم کو بھی مسترد کر دیا۔ اب آخری عشرے میں لامحالہ تیسرا نظام سامنے لایا جانا ہے جس کی آزمائش اگلی صدی میں ہوگی۔ اگر مسلمان بیدار مغزی اور دُور اندیشی سے کام لیں تو نظامِ شریعت پوری دنیا کے لیے امن کی ضمانت بن سکتا ہے کہ وہ کل بھی آزمایا گیا اور آج بھی پوری دنیا کو اسے سکا

چیلنج ہے۔

◎———◎———◎

ہمیں عالم اسلام سے مایوسی نہیں ہے مسلمان اپنے دین کی رُو سے دُنیا کے محتسب اور خدائی فوجدار ہیں۔ جس دن وہ بیدار ہوں گے اور اپنا فرضِ منصبی انجام دیں گے تو وہ دن مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے یوم حساب ہوگا، انہیں کی خاکستر میں وہ چنگاری دبی ہوئی ہے جو کسی نہ کسی دن بھڑک کر جاہلیت کے خرمن کو جلا کر خاک کر دے گی۔

الحاد و دہریت، جبر و تشدد اور قتل و بہیمیت کے علمبردار کمیونزم کی شکست و ریخت اور سرمایہ داری کی تباہ کاری کے بعد اب کے حالات تو عالم اسلام کے لیے بڑے حوصلہ افزا ہیں۔ "ایشیا ویک" کی ایک رپورٹ میں "مغرب میں اسلام کے خوفناک پیش قدمی" کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ (الف) صدیوں قبل اسلام مغرب میں صلیبی جنگوں کے حوالے سے داخل ہوا تھا اور پھر نکل بھی گیا تھا لیکن اب اسلام مغرب میں عقیدہ کی تبدیلی، نقل مکانی اور پیدائش کے حوالے سے پیش قدمی کر رہا ہے۔ (ب) یورپ اور مغرب میں کمیونزم کا ہوا ختم ہونے کے بعد اسلام کا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ (ج) گذشتہ دو دہائیوں میں امریکی مسلمانوں کی تعداد میں دوگنا اضافہ ہوا۔
سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کے ستائے ہوئے معاشروں میں اسلامی بیداری کی یہ لہر اسلام کی صداقت کی کی دلیل اور اسلامی انقلاب کی خواہاں قوتوں کے لیے کام کرنے کی پائیدار مہمیز بن سکتی ہے۔

اسلام کی قیادت، دنیا میں امن کی ضمانت

عالم اسلام کے پاس نظام شریعت کا پیغام ایک بڑا طاقتور، واضح اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منصفانہ، بلند و برتر اور مبارک پیغام آج تک دنیا نے کسی کی زبان سے نہیں سُنا۔ انسانیت کی مشکل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ عالمگیر قیادت اور زندگی کی جہاز رانی ان مجرم اور انسانیت کے خون سے رنگین ہاتھوں (جنہوں نے انسانیت کے قافلہ کو غرق کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے) سے چھین کر اُن امانتدار، فرض شناس، خداترس، تجربہ کار ہاتھوں کے طرف منتقل کر دی جائے جو انسانیت کی جہاز رانی کے لیے روزِ اوّل سے بنائے گئے ہیں ـــــ نتیجہ خیز اور کارآمد انقلاب صرف یہ ہے کہ دنیا کی راہ نمائی اور انسانیت کی سربراہی جاہلیت کے کیمپ سے (جس میں برطانیہ، امریکہ، رُوس اور ان کے حاشیہ بردار مشرقی اور ایشیائی قومیں ہیں اور جن کی زمام قیادت مترفین اور اکابر مجرمین کے ہاتھوں میں ہے) منتقل کر کے اس امت کے ہاتھ میں دے دی جائے جس کی قیادت انسانیت کے معمارِ اعظم، رحمتِ عالم سیدِ اولادِ آدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے جو اس دنیا کی تعمیر نو اور نشأۃ ثانیہ کے لیے

محکم اور واضح اصول و تعلیمات رکھتے ہیں جن کی تعلیمات اور نظامِ حیات نے زندگی کا دھارا اور دنیا کی سمت بدل دی تھی۔ جنہوں نے ہمہ گیر خدا پرستی و خود شناسی، دینی رشتوں کی استواری، مقاصد کے اتحاد اور صلح و محبت کا پیغام دے کر دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیا تھا۔ آج بھی وہی راستہ ہے نجات کا جس کے ذریعہ پوری دنیائے انسانیت کو بہیمیت کی زندگی اور اخلاقی پستی سے اٹھا کر روحانی اور اخلاقی ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ انسانی جوہر و کمالات، علم و ہنر، ذہانت، طبیعت کی جولانی، فوجی طاقت اور اسلحہ کی فراوانی جو بے محل صرف ہو رہی ہیں صحیح رُخ پر لا کر دنیا کو حقیقی ترقی دی جا سکتی ہے اور صرف اسی راستہ سے انسانیت کا قافلہ منزلِ مقصود سے قریب ہو سکتا ہے۔ خدا کرے کہ دعوت و غلبۂ اسلام کی عالمی تحریکوں کے علمبردار خالص دینی تصور اور داعیانہ طرزِ فکر سے مستقبل کا لائحہ عمل بنائیں اور اس سے مطلوبہ انقلابی نتائج اور مثبت ثمرات حاصل ہوں۔

مولانا خلیل احمد شہیدِ جہادِ افغانستان

مولانا خلیل احمد افغانیؒ دارالعلوم حقانیہ میں کئی سال سے تعلیم میں مصروف تھے۔ اسی سال درجہ علیا (مشکوٰۃ و جلالین) کا سالانہ امتحان دیتے وقت بھی شرکتِ جہاد اور حصولِ شہادت کے لیے بے چین تھے جبکہ اس سے قبل بھی متعدد محاذوں اور کئی معرکوں میں مجاہدانہ کردار ادا کر چکے تھے۔ اور اب کی بار ان کی جذبۂ ایمانی سے سرشار روح نے انہیں سیماب صفت بے چین کر دیا تھا۔ سالانہ تعطیلات میں طلبۂ دارالعلوم کے دیگر متعدد قافلوں کی طرح مرحوم بھی وسطِ شعبان میں [illegible] تشریف لے گئے۔ جاتے وقت اپنے رفقاء سے کہہ دیا تھا کہ اب کے بار میں نے اللہ کے فضل سے شہید ہونا ہے جو بعد ازاں اللہ کریم نے پورا کر دیا۔ گولیاں لگیں تو سنبھل کر رفقاء سے کہا: "دارالعلوم کے اساتذہ کو سلام دعا کی درخواست اور بس اب میں چلا گیا"۔ یہ کہنا تھا کہ خلعتِ خونِ شہادت اور وصالِ محبوبِ حقیقی سے سرفراز ہو گئے۔ فرحمہ اللہ وارضاہ۔

شہید اپنے پسماندگان میں والدہ، بیوی اور ایک چھوٹا بچہ چھوڑ گئے ہیں۔ جب بوڑھی والدہ کے پاس اُس کے مستقبل کی امیدوں کے سہارے اور لختِ جگر شہید کی لاش لائی گئی تو موصوفہ نے گریہ و زاری، شیون و ماتم کے ریت سے ہٹ کر فوراً وضو کر کے دوگانہ ادا کیا کہ اللہ کریم نے میرے بیٹے کو جو اعزاز بخشا ہے ہر والدہ کا ایسا مقدر کہاں؟ یہ تو اللہ کا کرم ہوا جس نے مرحوم کی شہادت سے ہمیں اور پورے خاندان کو یہ سعادت بخشی۔

ان کی شہادت سے مرحوم کا خاندان اپنے لخت جگر، سالِ تعلیم و تبلیغ اور مجاہدین ایک بیباک سپاہی سے محروم ہو گئے مگر وہ اپنے اقران و معاصرین کے لیے نشانِ راہ بن گئے اور اپنی مادرِ علمی درسگاہ علم و مرکزِ تربیت کے لیے ذخیرۂ عقبیٰ و فرطِ آخرت بھی۔

اللھم ارض عنہ وارفع درجتہ۔ آمین

عبدالقیوم حقانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انسانیّت کے محسنِ اعظمؐ
اور
شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض

حضرت مولانا مدظلہ کا یہ مقالہ اردو میں ۲۲ اگست ۱۹۹۶ء کو اسلامک اسٹڈیز سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھا گیا۔ اور ۲۶ اگست کو لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں مختلف ملکوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم مجمع کے سامنے عربی، اردو تقریروں اور تشریح و ترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا جسے ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

حضرات! یہ دنیا جس میں ہم آپ بس رہے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ، ذوق، صلاحیت اور وسائل و امکانات کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں اور اپنے وطنوں (اور اس سے آگے بڑھ کر) اپنے ہمعصروں کے ساتھ مہذب اور شریفانہ اور پرسکون اور خوشگوار زندگی گذار رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ تعلیمی و تدریسی تصنیفی و تحقیقی، تجرباتی و انکشافاتی میدان میں بھی اپنے اپنے درجہ اور حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں اور اس زندگی اور اس کے ماحول کو اس سے بہتر، اس سے زیادہ محفوظ و پرامن اس سے زیادہ خوشگوار اور پرسکون اور اس سے زیادہ ترقی و معیاری بنانے کی امنگ اور خواہش رکھتے ہیں۔ یہ دنیا اور یہ کرۂ ارض جس پر ہم رہتے بستے ہیں، ہمیشہ سے ایسا معتدل، پرسکون، سنجیدہ و باوقار، متحمل و روادار، فکری و تعمیری خدمات انجام دینے، اپنے اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق زندگی گذارنے، ایک دوسرے کا احترام و اعتراف کرنے اور رہنے کے باہم (CO-EXISTENCE) کے لئے ہمیشہ تیار نہیں تھا۔

اس زمین پر بسنے والی نسل انسانی کئی بار خودکشی اور خودسوزی کے لئے تیار اور کمربستہ پائی گئی۔ اس دنیا کی تاریخ میں کئی دور ایسے گذرے ہیں کہ اس نسلِ انسانی نے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھو دیا اور اس نے باشعور اور باضمیر انسانوں کے بجائے غیر ذوی عقل جانوروں اور خونخوار و آدم خور درندوں کی شکل اختیار کرلی: تہذیب و تمدن، علم و ہنر، اخلاق و اقدار، نظام و قانون، اصول و ضوابط، سب پر ایک احتضار (عالم سکرات) کی کیفیت طاری ہوگئی۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخ کی تدوین کا کام بہت دیر سے شروع ہوا۔ اور "ماقبل تاریخ" کا دور "مابعد تاریخ" کے دور سے کہیں زیادہ طویل اور وسیع گذرا ہے۔ پھر زوال آدمیت اور دورِ وحشت کی داستان کچھ ایسی خوشگوار اور قابلِ فخر بھی نہیں تھی کہ اس کو پیش کرنے میں مصنفین اور مورخین اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔ اس لئے ہمیں بڑے بڑے طویل وقفوں کے بعد انسانی معاشرہ، تہذیب و تمدن اور حکومتوں اور نظامہائے مملکت کے زوال کے بارے میں تاریخی شہادتیں تاریخ عالم کے صفحات پر بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ اور ان کا سلسلہ زیادہ تر پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ ان میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور انگریز مصنف H. G. WELLS ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"سائنس اور سیاست دونوں، ان برسرپیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سو چکے تھے۔ ایتھنس ATHENS کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کر دی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا۔ لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہدِ قدیم کے شرفا کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا اور قدما کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرأت مندانہ اظہارِ خیال کا داعی ہوتا۔
اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی و سماجی افراتفری تھی۔ لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کند اور بنجر ہو چکا تھا۔ ایران اور بازنطینیہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا۔ دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہارِ خیال پر کڑے پہرے بٹھا

دیئے گئے تھے[1]

بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملے اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :-

"اگر کوئی سیاسی پیش گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا۔ مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا نہ اتحاد۔ بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا۔[2]

رابرٹ بری فالٹ (ROBERT BRIFFAULT) لکھتا ہے۔

پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی۔ کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی۔ جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے۔ اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا۔ جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔[3]

قدیم مذاہب نے جس تہذیب کو پروان چڑھایا تھا اس کے زوال کے بارے میں جے ایچ ڈینی سن J.H. DENISON لکھتا ہے :-

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے۔ اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے۔

---

[1] H.G. WELLS, A SHORT HISTORY OF THE WORLD (LONDON-1924) PP. 140-41

[2] A SHORT HISTORY OF THE WORLD (LONDON-1924) P. 144

[3] ROBERT BRIFFAULT THE MAKING OF HUMANITY (LONDON-1919) P. 164

> جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہو جاتے۔ اور امن و امان معدوم ہو جاتے۔ پرانے قبائلی نظام کی توانائی ختم ہو چکی تھی۔ عیسائیت نے جو روایات قائم کی تھیں وہ اتحاد و نظم کے بجائے تفرقہ اور تباہی کی جانب لے جا رہی تھیں۔ یہ زمانہ المناک تھا۔ تہذیب جو ایک تناور درخت کی طرح ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے تھی اور جس کی شاخیں علم و فن اور ادب کے زریں پھل دے چکی تھیں بربادی کے قریب تھی، اسے گھن لگ چکا تھا۔[1]

نسلِ انسانی اور تہذیب و تمدن کی اس جاں کنی کے عالم میں جزیرۃ العرب میں خدا نے ایک انسان کو پیدا کیا اور نوعِ انسانی کو نہ صرف بچانے بلکہ انسانیت کے اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچانے کا دشوار ترین کام سپرد کیا۔ جو مورخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند تخیل سے بھی فزوں تر تھا۔ اور اگر اس کے لئے ناقابلِ انکار تاریخی شہادتیں اور تواتر نہ ہوتا تو اس کا یقین کرنا بھی مشکل تھا۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی۔ آپ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ نے اس تلوار کو جو نوعِ انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، ہٹا لیا۔ اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی منزل سفر عطا کی۔ اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن علم و فن، روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ انہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک بیش بہا دولت عطا کی جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا دار و مدار ہے۔ وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شر کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم۔ انسان کی تمام ترقیات، سربلندیوں اور ناقابلِ فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے، انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں۔ انہوں نے قساوت و بہیمیت کو رحمت و رافت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی۔ اس کے لئے مسلسل و متواتر جد و جہد جاری رکھی۔ عیش و آرام

---

[1] DENISON. J.H EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION (LONDON-1928) P. 265

کی پرواہ نہیں کی۔ عزت و وقار کا خیال نہیں کیا حتی کہ اپنے جسم و جان کی بھی فکر نہیں کی۔

اس مسلسل و جانکاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پہاڑ کے رہنے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہو گئی جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دلکشی و رعنائی آگئی جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہو گئی بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی۔ الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی۔ سعادت کا بازار گرم ہو گیا۔ دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں۔ ایمان و یقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں۔ انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔

ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے جن کا نوع انسانی کی راہنمائی، اصلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار رہا ہے۔ اور جنہوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق و تشکیل کی ہے جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات GIFTS درج ذیل ہیں۔

۱۔ صاف اور واضح عقیدۂ توحید۔

۲۔ انسانی وحدت و مساوات کا تصوّر۔

۳۔ انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت و بلندی کا اعلان۔

۴۔ عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ ناامیدی اور بدفالی کی تردید اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد و افتخار کی آمیزش۔

۶۔ دین و دنیا کا اجتماع اور حریف و برسر جنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔ دین و علم کے درمیان مقدس و دائمی رشتہ کا قیام و استحکام۔ اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا۔ علم کی تکریم و تعظیم اور اسے بامقصد مفید اور خدا رسی کا ذریعہ بنانے کی سعی مسعود

۸۔ عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے، فائدہ اٹھانے اور انفس و آفاق میں غور و فکر کی ترغیب۔

۹۔ امتِ اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی و رہنمائی، انفرادی و اجتماعی اخلاق و رجحانات کے احتساب، دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادتِ حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالمگیر اعتقادی و تہذیبی وحدت کا قیام۔

اب ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین و مصنفین اور ادباء و مورخین کے تاثرات و اعترافات پیش کرتے ہیں۔ اس مہذب دنیا کی جن چند چیزوں سے آبرو قائم ہے اور جن کی بدولت تہذیب، تاریخ، اخلاقیات اور ادب و شاعری تک کی قدر و قیمت باقی ہے۔ وہ ناقابلِ انکار حقائق و واقعات کا اظہار و اعترافِ جوہر و کمال کی قدر دانی اور محسنوں کا تشکر اور احسان مندی ہے اور جس دن ہماری یہ دنیا، ہماری ادبیات، ہمارا اخلاقی نظام۔ اور ہماری ادبی صلاحیت اور اظہارِ خیال کی آزادی اس شریفانہ عنصر سے محروم اور عاری ہو جائے گی اس دنیا میں رہنے اور بسنے کی لذت و عزت جاتی رہے گی۔ اور دنیا چوپایوں اور درندوں کی ایک بستی بن جائے گی۔ جہاں سوائے پیٹ بھر لینے۔ اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل اور ہوا و ہوس کے سوا کوئی محرک طاقت نہیں ہوگی۔ اور جہاں استاد و شاگرد۔ لینے والے اور دینے والے۔ معالج و مریض حتٰی کہ مادر و پدر و فرزند کے درمیان رشتہ اور محافظ و رہزن کے فرق کا احساس بھی جاتا رہے گا۔

اسی فطری جذبہ احسان مندی کے بارے میں "انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس"، کے مقالہ نگار ولیم، ایچ، ڈیوڈسن WILLIAM H. DAVIDSON کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک فطری اور عالمگیر انسانی جوہر ہے جس کو ہر زمانہ میں زندہ رہنا چاہیئے۔

مقالہ نگار لکھتا ہے :۔

"بقول تھامس براؤن THOMAS BROWN جذبۂ تشکر محبت کے اس فرحت بخش جذبہ کا نام ہے جو ہم کسی دوسرے سے فائدہ پہنچنے پر محسوس کرتے ہیں۔ یہ احساس بذاتِ خود اس منفعت کا ایک جزء ہے جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔

احسان مندی کسی مہربانی کا ردِعمل ہے۔ جو پورے خلوص اور انبساط کے ساتھ واقع ہوتا ہے یہ ردِعمل فوری اور فطری ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرتِ انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت و یگانگت اس کی بنیادی

صفت ہے اور نفرت و دشمنی (اپنی تمام علامتوں کے ساتھ) غیر فطری اور مخرب اخلاق ہے۔[1]

اس اخلاقی پستی۔ دناءتِ طبع، ضمیر کے مردہ و مفلوج ہونے اور شرافتِ انسانی کے آخری اثر سے محروم ہو جانے کا سب سے بڑا مظہر، مذہبی پیشواؤں۔ معمارانِ انسانیت اور محسنینِ عالم کی نہ صرف احسان فراموشی بلکہ ان کے بارے میں وہ زبان و اسلوب اختیار کرنا ہے جو پست سے پست انسانوں کے بارے میں بھی روا نہیں ہے۔ اور جس سے نہ صرف ان کے کروڑوں ماننے والوں اور ان پر جان قربان کرنے والوں کے دل و دماغ مجروح ہوتے ہیں، بلکہ حقائق کا بھی خون ہوتا ہے۔ اور دیکھنے والی آنکھوں میں خاک جھونکی جاتی ہے۔ کسی شریف معاشرہ اور کسی مہذب ملک کو بھی ایسے دنی الطبع، ضمیر فروش، احسان فراموش اور غیر مہذب انسانوں کو برداشت نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے مقابلہ میں ہم اس مغربی دنیا کے (جہاں ہم اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں) چند ترقی یافتہ اور مثالی ملکوں کے منصف مزاج حقیقت پسند اور بلند پایہ مصنفین اور ادیبوں کے تاثرات اور خیالات پیش کرتے ہیں۔

فرانس کا مشہور ادیب لیمرٹائن LAMARTINE نبوتِ محمدی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں۔ زیر و زبر کرنا۔ انسان کو خدا کے حوالے کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا۔ اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادّی خداؤں کی جگہ خدا واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سرِ نو بحال کرنا۔ یہ تھا وہ عظیم مقصد ـــ کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی بھی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا۔ اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بیڑا نہیں اٹھایا۔

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی

---

[1] ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS EDINBURG-1913 VOL6, P. 391

پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی۔ بذاتِ خود ایک قوی معجزہ تھا۔ محمدؐ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا۔ بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی۔ اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہو گئی۔" [۱]

جان ولیم ڈریپر JOHN WILLIAM DRAPER یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے۔

" ۵۶۹ء جسٹی نین JUSTINIAN کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسلِ انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔" [۲]

وہ مزید لکھتا ہے۔

" محمدؐ میں وہ صفات جمع ہو گئی تھیں جنہوں نے ایک سے زائد بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے مابعد الطبیعات کے بیکار مباحث میں پڑنے کے بجائے لافانی صداقتوں پر زور دیا۔ اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی سنجیدگی، روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کی سماجی ترقی کے لئے وقف کر دیا۔" [۳]

اس صدی کا عظیم مؤرخ ٹائن بی TOYNBEE لکھتا ہے۔

" مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ و اشاعت کی اہم ترین ضرورت ہے۔" [۴]

(جاری ہے)

---

[۱] لیمرٹائن LAMARTINE ہسٹری ڈی لاٹرکی ج ۲، ص ۲۷۶ - ۲۷۷ پیرس ۱۸۵۴ء

HISTOIRE DE LATURQUIE, PARIS-1854 VOL 2, PP. 276-277

[۲] JOHN WILLAM DRAPER, AHISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF THE EUROE, LONDON-1875 VOL. 1. P 229 [۳] IBID P. 330

[۴] TOYNBEE A.J. CIVILIZATION ON TRIAL NEW YORK-1948, P. 205

مولانا اصلاح الدین حقانی

عورت کی سربراہی
اور
شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی آئینی مساعی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ان کو ان کے جائز حقوق دلوانے کے لئے آپ نے بھرپور کوششیں بھی کیں۔ اسمبلی کے اندر اور اس کے باہر ہر موقعہ پر انہوں نے عورتوں پہ مظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان پر بے جا پابندیوں اور ان کی ناحق شناسیوں کے خلاف سرحد کے بعض علاقوں کے کٹر روایت پسند ماحول میں بھی صدائے حق بلند کی۔ حتی کہ اس موقع پہ آپؒ کی تقریروں سے بعض مقامات پہ جاہل روایت پسند اور رواجات میں گھرے ہوئے مسلمان نالاں بھی رہتے تھے۔ ان کے خیال میں مولانا مرحومؒ کی تقریروں سے عورتوں کے بے لگام ہونے کا خدشہ تھا۔ جب کہ آپ نے عورتوں پہ ناجائز مظالم کے خلاف آواز اٹھائی تھی اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی سطح پر عورتوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے ازالہ کے لئے آپ نے اسمبلی کے اندر انتھک کوششیں کیں۔

چنانچہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲ء کو عائلی قوانین کے بارے میں قومی اسمبلی میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

> خواتین کا احترام اور ان کے حقوق کی حفاظت کا سب سے پہلے اسلام ہی نے حکم دیا ہے اور اسلام ہی نے وراثت میں عورتوں کا حصہ رکھا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ علمارہی کی کوششوں کا تو نتیجہ ہے کہ انگریزوں کے دور یعنی ۱۹۳۵ء سے لے کر اس وقت تک صوبہ سرحد کی عورتوں کو میراث میں شریعت کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں ہماری بہنیں یہ نہ سمجھ لیں کہ اس جانب جو لوگ بیٹھے ہیں وہ خدانخواستہ عائلی قوانین کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ ان کے قلوب میں صنف نازک کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔

اسی تقریر کے دوران آگے فرمایا:۔

> موجودہ معاشرے میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جس کا حکم اسلام دیتا ہے اس لئے

ہمیں اس معاشرے کی اصلاح کرنی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی معاشرتی حالت بھی آپ کے سامنے ہے چنانچہ اسلام نے معاشرے کی اصلاح کی اس لئے معاشرے کی وجہ سے قوانینِ الٰہیہ کو بدلا نہیں جاسکتا: نکاح پر پابندی مت لگائیے بلکہ عدل اور قانون کے دروازوں کو آسان بنائیے: تاکہ شہر اور محلے میں جس عورت کو اپنے شوہر سے یہ گلا ہے کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو تو ریشم کے کپڑے لاکر دیتا ہے اور اسے اچھی نگاہ سے بھی دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی بیوی پر کما حقہٗ توجہ نہیں دیتا تو وہ اس پر حقوق زوجین کے تحت کسی شہری عدالت میں دعویٰ کر سکے۔ اور عدالت اسے جبراً پہلی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت دے سکے۔ آخری بات دیکھنے کی یہ ہے۔ کہ کیا ایک عورت کسی ایسے مرد سے کہ جس کی بیوی ہے اپنی مرضی سے نکاح کر کے اس کی بیوی بننا چاہتی ہے یا بالجبر۔ اگر وہ اپنی مرضی سے نکاح کر رہی ہے تو آپ اس کے نفس اور اس کے اختیارات پر قدغن لگانے والے کون ہیں اور اسے کیوں روکتے ہیں۔ یہ عورت پر ظلم نہیں تو کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ عائلی قوانین عورتوں کے حقوق غصب کرنے اور ان پر مظالم ڈھانے کی مثالوں سے پُر ہیں[1]

مزید فرمایا:۔

ایک شوہر مہینوں مہینوں ایک بیوی کے گھر میں نہیں رہتا۔ ایک بیوی کو ریشم کے کپڑے اور ایک کو کھدر کے کپڑے دیتا ہے۔ کھانے پینے میں بھی فرق کرتا ہے۔ لیکن اسلام اسے پابند بناتا ہے کہ دوسری بیوی آنے کے بعد جس نظر سے وہ اس کو دیکھے گا اس کے مطابق وہ پہلی کو بھی دیکھے گا۔ ہمارے پاس شرعی قوانین اور تعزیرات ہیں ہم عدالتی کارروائی کے ذریعے اس شوہر کو قید کر سکتے ہیں۔ اس کو سزا دے سکتے ہیں اور جبراً اس سے اس کا حق نے کر دلوا سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں پہلی بیوی کی بھلائی ہو گی۔ میں مانتا ہوں کہ خواتین پر ظلم نہیں ہونا چاہئے ہر انسان کو ہر مرد کو اور ہر عورت کو اس کے حقوق دینے چاہئیں۔

اس وقت ملک میں مردم شماری ہو رہی ہے۔ چند دنوں میں رپورٹ سامنے آجائے گی

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۲، ۲۱۳

میرا خیال ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ مرد اور عورتیں برابر بھی
ہیں تو اس صورت میں بھی کم از کم دس لاکھ آدمی پاکستان میں ایسے ہوں گے جو نکاح کے
قابل نہیں کیونکہ وہ غریب ہیں وہ ان کے کھانے کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ تو شریعت
انہیں نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ تو اس طرح جو دس لاکھ مفلس ہیں اور افلاس کی
وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تو اس کے مقابلے میں دس لاکھ عورتیں بچیں گی۔ آپ نکاح ثانی
ممنوع قرار دیتے ہیں تو اس صورت میں دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی؟ مجبوراً داشتائیں بن
کر گلی کوچوں میں پھریں گی۔ کچھ مرد مریض بھی ہوتے ہیں۔ نامردی میں مبتلا ہوتے ہیں جو
شادی کے قابل نہیں ہیں۔ فرض کیا ایسے مردوں کی تعداد پاکستان میں دس لاکھ ہے
تو دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی؟[1]

۱۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کو جب قومی اسمبلی کی خاتون رکن بیگم نسیم جہاں نے خواتین کی حیثیت متعین کرنے کے لئے ایک کمیشن کے قیام سے متعلق اپنی قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کا لب لباب حقوق نسواں کے نام سے بے لاگ آزادی کا مطالبہ کرنا تھا۔ تو حضرت مرحوم نے عورت کے بارے میں اسلام کا رویہ، فطری قوانین اور عورت پر اسلام کے عظیم احسانات کی توضیح کرتے ہوئے مفصل تقریر فرمائی۔ جس کے آخر میں آپ نے فرمایا:۔

ہم نے یورپی تہذیب کی تقلید میں اور جہالت کی وجہ سے اسلام کو ہوّا سمجھ لیا ہے
ایک اور بات یہ ہے کہ حقوق الگ چیز ہیں اور اس نام پر آزادی اور ترقی پسندی الگ
چیز ہے۔ اسلام عورت کی بے پردگی کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ خطرات سے مقابلہ ہے۔
آپ دودھ، گوشت بلّی کے سامنے رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس میں دخل اندازی
نہ کرے۔ اسلام عورت کو غنڈوں، بدمعاشوں، بلوں اور کتوں سے محفوظ رکھنا چاہتا
ہے۔ وہ اسے ہیرے اور جواہرات کی طرح حفاظت کی چیز سمجھتا ہے۔ آج ہم عورت
کی تذلیل دیکھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی وجہ سے وہ شمع محفل بن گئی۔ ٹکے ٹکے کی
چیزوں پر اس کی ننگی تصویر۔ صابن پر اس کی تصویر۔ ہر چیز کے بیچنے کے لئے عورت کو
استعمال کیا جا رہا ہے۔ اخبارات میں اس کی عریاں اور بیہودہ تصویر چھپتی ہے۔ ہر
مرد کی نگاہ ہوس اس پر پڑتی ہے اور اسے یورپ نے کھلونا بنا دیا ہے۔ یہ ترقی نہیں

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۴، ۲۱۵

تحقیر اور تذلیل ہے۔ میں بیگم نسیم جہاں کی قرارداد پر گذارش کروں گا کہ بے شک عورتوں کی حیثیت کا کمیشن بنایا جائے۔ حق طلب کئے جائیں۔ مگر وہ حقوق جو اسلام کے دائرہ میں ہوں۔ مخلوط تعلیم سے اور بازاروں میں گھومنے پھرنے سے عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام نے حج جیسی عبادت کے لئے بھی بغیر محرم سفر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں بیرونی دوروں اور تفریحات کو حقوق کا نام دیا جا رہا ہے۔ بہر حال میں اس قرارداد کے سلسلے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کی ان تمام سرگرمیوں اور ترقیوں کو اسلام کے دائرہ میں لایا جائے جو اسلامی احکام کے خلاف ہیں[۱]

آپ خواتین پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے کے قائل نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے خواتین کو سخت اور محنت طلب مناصب سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ بیگم نسیم جہاں نے اسمبلی میں خواتین کے لئے رضا کار تنظیموں کے قیام کی تجویز پیش کی تو مولانا نے فرمایا:۔

اگر خدانخواستہ عورتوں کی ایسی رضا کار تنظیمیں آج بھارت کے قبضہ اور قید میں ہوتیں تو ہمارا کیا حشر ہوتا اور خواتین افواج کے ہاتھوں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے[۲]

عورت کو جو تقدس اسلام نے دیا ہے اس کی بحالی کے لئے آپ نے بار بار اسمبلی میں اس بات پر زور دیا کہ ناچ گانے اور کلبوں کی لعنت کو ملک سے ختم کرنا چاہئے۔ اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے وہ اسلامی اقدار کے احیاء کا مطالبہ کرتے رہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ مرد کے دوش بدوش عورت کو کام کرنے کی اجازت دلوانے اور عورت کو مرد کے ہم پلہ بنانے کے سخت خلاف تھے۔ وہ ہر شعبہ میں عورت اور مرد کی کلی مساوات کو فطرت کا مقابلہ سمجھتے تھے اس لئے وہ اس مساوات کو مشروط و محدود کرنا ضروری سمجھتے تھے ۵ ؍مارچ ۱۹۷۳ء کو آئین کے دفعہ ۳۶ پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

دفعہ ۳۹ سے (صنف نازک اور مرد کی عدم مساوات کے سلسلے میں) ہماری تائید ہوتی ہے۔ وہاں تو تمام شعبوں میں عورت کو مکمل مساویانہ حیثیت دی گئی ہے اور یہاں کہا گیا ہے کہ بچوں اور عورتوں کو بعض ایسے پیشوں پر مامور نہ کیا جائے گا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بعض شعبے ایسے بھی ہیں جو عورتوں کے لئے مناسب نہیں۔ تو عورتوں کو کلی

---

[۱] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ صہ ۲۱۹/۲۲۰ [۲] ایضاً صہ ۱۵۹

طور پر مساویانہ حصہ دینا فطرت سے مقابلہ ہے...... تو اس لئے یہ نا قص رفع کیا جائے اور وہ اس طرح کہ دفعہ ۳۶ کی دی گئی کلی مساوات ختم کی جائے فرق مراتب ہر لحاظ سے ضروری ہے[1]

اس سے اگلے روز آئین کے دفعہ ۴۴ میں ایک ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :-

کل ایک محترمہ نے تجویز پیش کی ہے کہ خواتین کے لئے ہر شعبہ میں حصہ ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ افواج میں بھی۔ تو میں کہتا ہوں کہ آج ہماری ۹۳ ہزار فوج کافروں کے قبضہ میں ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ عورتیں ہوتیں تو آج ایسی فوج کا کیا حشر ہوتا۔ اور ہمارے لئے کتنی بدنامی ہوتی۔ ہمارے لئے دنیا میں رہنے کی صورت ہی نہ ہوتی[2]

جنس مذہب اور وطن میں عدم امتیاز کے سلسلے میں آئین کے دفعہ ۲۶ کے تحت حضرت مرحوم کی ترمیم میں بھی اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ (فحاشی اور بداخلاقی کی روک تھام کے لئے) اس دفعہ میں امتیاز برتنے کی گنجائش رکھی جائے۔ اسی طرح آئین کے دفعہ ۲۷ کے تحت ملازمتوں اور انتخابی عہدوں پر نسل و مذہب اور جنس وذات وغیرہ کی بنا پر امتیاز کی نفی کی گئی تھی۔ چنانچہ یہ دفعہ اپنے عمومی لحاظ سے کافروں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی ملک کی صدارت تک پر فائز ہونے کا جواز مہیا کر رہا تھا۔ فریضۂ حق کی ادائیگی کے لئے اس مقام پر بھی مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا عبدالحقؒ کی مشترکہ ترمیم ۲۸۴ میں " ماسوائے کلیدی اسامیوں " کے الفاظ شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

دیگر امور کی طرح حضرت شیخ الحدیث مرحوم اسمبلی میں خواتین کی موجودگی کو بھی خلافِ اسلام، خلافِ فطرت اور مصلحت سے بعید سمجھتے تھے۔ آپ کو ایک اسلامی سلطنت کے آئین کے اساسی مجلس میں ناقص العقل والدین صنف کے وجود پر بھی اعتراض تھا۔ چنانچہ آپ نے اسمبلی میں عورت کی رکنیت کے نمائندہ کو آئینی حیثیت دینے کی بھی کوشش کی۔ آئین کے دفعہ ۵۴ شق ۴ کے تحت جب خواتین کے لئے اسمبلی کی دس نشستیں محفوظ کرنے کا ذکر آیا تو مولانا مرحوم نے اپنی ترمیم ۵۵۳ پیش کرتے ہوئے عورتوں کی ایوان میں نمائندگی سرے سے مخالفت کی اور دفعہ ۵۴ کی مذکورہ شق کو حذف کرنے پر زور دیا۔

جہاں تک ملک کے سربراہ کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں بھی مولانا مرحوم کی رائے غیر مبہم تھی۔ مارچ ۱۹۷۳ء کے آئینی سازمباحث میں آئین کے دفعہ ۴۴ میں حضرت مرحوم کی ترمیم ۱۴۴ کے مطابق صدر مملکت کم از کم

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۵۔ [2] ایضاً ص ۱۲۷

چالیس سال کا مسلمان مرد ہونا چاہیئے۔ اپنی اس ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

ترمیم کی دوسری قید کے بارہ میں عرض کرتا ہوں کہ صدر مملکت مسلمان مرد ہو۔ مسلمان کی قید ضروری ہے۔ اس لئے کہ جب ملک اسلامی ہے تو اسلامی ملک میں اسلامی شریعت کا نافذ کرنے والا، اسلامی قوانین کا نافذ کرنے والا، اسلامی قوانین کو جاری کرنے والا صدر وہ شخص ہونا چاہیئے۔ جو ان قوانین پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اگر وہ اس پر عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ یہ چیزیں نعوذ باللہ صحیح نہیں ہیں۔ تو وہ پیغمبر کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے اور ان چیزوں کا نفاذ کیسے کر سکتا ہے۔ اور مسلمان تب ہی ہوگا جب ان چیزوں کو صحیح جانے اور صحیح جاننے کے بعد پھر ان کو نافذ کرے۔

ایک چیز اور باقی ہے اور وہ یہ کہ امیر مملکت ایسا شخص ہوگا جو مرکز شجاعت ہو جو بھارت کا مقابلہ کر سکے۔ جو کہ دوسرے موقعوں پر کافروں کا مقابلہ کر سکے۔ مورچوں پر بھی جا سکے۔ تو وہ شخص ظاہر بات ہے کہ صنف نازک (عورت) سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مرد میں یہ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں [1]

مزید فرمایا:-

میں یہاں آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ کسریٰ کی بیٹی کی جب تخت نشینی ہوئی۔ اور آں حضرت ؐ کو یہ بتایا گیا تو انہوں ؐ نے فرمایا:-

لن یفلح قوم تملکھم امرأۃ — ہرگز فلاح نہیں پائے گی وہ قوم جس کی حکمران عورت ہو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو شکست ہوئی۔

برطانیہ کی حکومت اتنی عظیم تھی کہ اس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا بلکہ جب سے ملکہ وکٹوریہ اور الزبتھ تخت نشین ہوئیں تو سلطنت پر زوال آنے لگا۔ اور بالآخر وہ ایک جزیرہ میں محصور ہو کر رہ گئی۔ تو خدا نے مردوں کو جو شجاعت دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ صنف نازک کو عطا نہیں ہوئی۔ اور وہ کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتی [2]

اس سلسلے میں سب سے واضح بات وہ ہے جو کہ آئین کے دفعہ ۴۴ پر بحث کرتے ہوئے ۱۶ مارچ ۱۹۷۳ء

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۱ [2] ایضاً ص ۱۲۲

کو مولانا نے اسمبلی کے اندر کہی ۔ انہوں نے فرمایا :۔

چالیس سال کی عمر میں انبیائے کرام کو نبوت مل سکتی ہے تو خلیفۂ اسلامی کے لئے جو نائب رسولؐ ہوتا ہے ۔ یہی عمر کافی ہے ۔ اور اس (صدر) کا مرد ہونا اس لئے لازمی ہے کہ اس کے ذمے آئین کی نگرانی ہے ۔ دوسری اقوام سے معاہدات و صلح ، اسلامی امور کی نگرانی ، کافروں سے مقابلہ اور افواج کی تنظیم جیسی گراں بار ذمہ داریاں ہوتی ہیں اس لئے صدر شجاعت و مردانگی کا مظہر ہونا چاہیئے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس کی امیر عورت ہو۔[1] (قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۶۲)

۱۹۷۳ء کے دستور میں آئینی مساعی کی ایک ادنیٰ جھلک دکھلانے کے بعد اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی عملی اور سیاسی مساعی بھی اس قدر واضح ہیں کہ کسی معاند کو بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ جب اپریل ۱۹۸۶ء میں سوشلزم کے عفریت اور بے حیائی کی تحریک اور عورت کی حکمرانی اور اس کے اقتدار کے حصول کے لیے ۹ اپریل کو لاہور میں نئے اور خطرناک انقلاب کے اثرات تمام دنیا پر واضح ہو کر سامنے آگئے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ دسیوں امراض و عوارض اور نحیف و نزار جسم کے ساتھ ہزارہا خطرات کے باوجود میدانِ جہاد میں کود پڑے ، ملک کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا ۔ دورے کا آغاز ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو مانسہرہ میں علماء کنونشن سے خطاب سے کیا ۔ جس میں تین ہزار سے زائد علماء کرام نے شرکت کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی اور متفقہ طور پر آپ کو "قائدِ شریعت" کا خطاب دیا ، ۱۳ اپریل کو مدرسہ تحفیظ القرآن مردان میں ۱۶ اپریل کو مدرسہ معراج العلوم بنوں کے علاوہ مختلف مقامات پر بڑے بڑے علماء کنونشن طلب فرمائے ۔ ہر جگہ علماء اور مشائخ نے آپ کے ہاتھ پر سوشلزم کے خلاف بیعتِ جہاد کی ۔ ذیل میں ان مواقع پر کی گئی تقاریر کے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں ـــــ چنانچہ ارشاد فرمایا :۔

○ ـــــ آپ جانتے ہیں کہ میں کمزور ہوں ، عوارض میں گھرا ہوا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ خریدارانِ یوسف میں نام لکھوا دوں ، اگر مرتے مرتے بھی جس بات کو حق سمجھتا ہوں واضح کر دوں تو یہ میرے لیے سعادت ہے ۔[2]

○ ـــــ آج اگر ایک طرف اربابِ اقتدار دوغلی پالیسی اور منافقت اختیار کیے ہوئے ہیں تو دوسری طرف سوشلزم کا فتنہ پھر بیدار ہو گیا ہے ، ایک طوفان ہے جس نے سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ..... ۔ ایک مداری کے پیچھے احمقوں کی دنیا جمع ہو جاتی ہے ، آج ایک عورت کے پیچھے پوری قوم سرپٹ دوڑ پڑی ہے مگر یاد رکھنا ! اب دین کی خدمت اور باطل کا بھرپور مقابلہ کرنا ہوگا ۔[3]

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۶۲ [2] صحبتے با اہلِ حق ص ۳۲۳ [3] ایضاً ص ۳۲۰ ، ۳۲۱

○ ——— ہمارے ملک کے سیاست دانوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے، بے نظیر کے وزارت اور اقتدار کیلئے
تائید کیا تحریک شروع ہے[۱]

○ ——— خدارا اٹھیے! آنے والے خطرناک فتنۂ سوشلزم کے عفریت اور عورتوں کی حکمرانی کے منصوبوں کا سدِ باب کیجیے،
اگر تم نے غفلت کی تو عورتوں کا راج ہوگا، پورے عالم اسلام کی رسوائی ہوگی پھر خدا کے حضور کیا جواب دو گے[۲]

○ ——— موجودہ حالات میں خواہ مخواہ انقلاب کا کچھ فائدہ نہیں، جب تک اسلامی اور دینی انقلاب نہ ہو سوشلزم کا
کا عفریت اور اباحیت کا سیلاب چڑھا ہوا ہے، ایسے حالات میں الیکشن سے بھی بے دینوں کو فائدہ پہنچے گا، دینداروں کی تذلیل
ہوگی۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ علماء ہیں انقلاب کے نعرے لگا کر کس کی حمایت کر رہے ہیں، کس کے پلے میں انقلاب ڈال رہے
ہیں؛ خدا نہ کرے کہ عورتوں کی حکومت آجائے، پورے عالم میں رسوائی ہوگی، میں تو عورت کی حکمرانی کے تصوّر سے بھی کانپ اٹھتا
ہوں، علماء کا فرض ہے کہ وہ آنے والے گندے اور قوم و ملّت کے حق میں رسوا ترین انقلاب کے لیے رکاوٹ بن جائیں[۳]

مذکورہ بالا تصریحات کے باوجود بعض کج فہم لوگوں کا ۳، ۷ کے آئین میں عورت کی سربراہی کے مسئلہ میں
علمائے حق کو ساکت، اور مجرم گرداننا علماء حق بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کی ذات کے لئے تو مضر نہیں
ہوسکتا۔ البتہ یہ بات کہنے والے کے لئے کم از کم باعث ننگ و عار ہونی چاہیئے۔ کیونکہ مذکورہ تفصیل میں ہم نے
فقط اس رائے کی وضاحت کی ہے۔ جو موضوع کے بارے میں آپ نے اسمبلی کے اندر ظاہر کر دی تھی۔ نجی مجالس
میں اس لعنت کے سلسلے میں جو کچھ ہم نے آپ سے سنا وہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں
کبھی کسی سیاسی مصلحت کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اس سے بخوبی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ
حضرتؒ کس حد تک عورت کی سربراہی کے قائل تھے؟ اور آپ پر اس افترار کی حقیقت کیا ہے؟

بعض ترانِ مریدوں کی افترار پردازی اور دیدہ دلیری تو انتہا کو پہنچ گئی۔ حتّٰی کہ خود نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ
پر اقتدارِ زن کی حمایت کا الزام لگا دیتے ہیں اور نہایت ڈھٹائی سے اس کا پرچار بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ خیر القرون
سے لے کر اب تک قافلۂ حق کے کسی بھی رہرو نے اقتدارِ زن کو قابلِ قبول نہ سمجھا۔ بلکہ اسے باعث ادبار و ہلاکت
بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے خودغرض سیاسی رہنماؤں کو نورِ بصیرت سے نوازے۔ آمین

۱؎ صحیفۂ یا اہلِ حق ص ۳۲۰ ۲؎ ایضاً ص ۳۲۳ ۳؎ ایضاً ص ۲۷۱

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں ۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش ۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال ۔
ہر محفل کا میزبان خصوصی
رُوح پاکستان ۔ رُوح افزا
راحت جان ۔ رُوح افزا
ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے
HMD-6/87
ADARTS
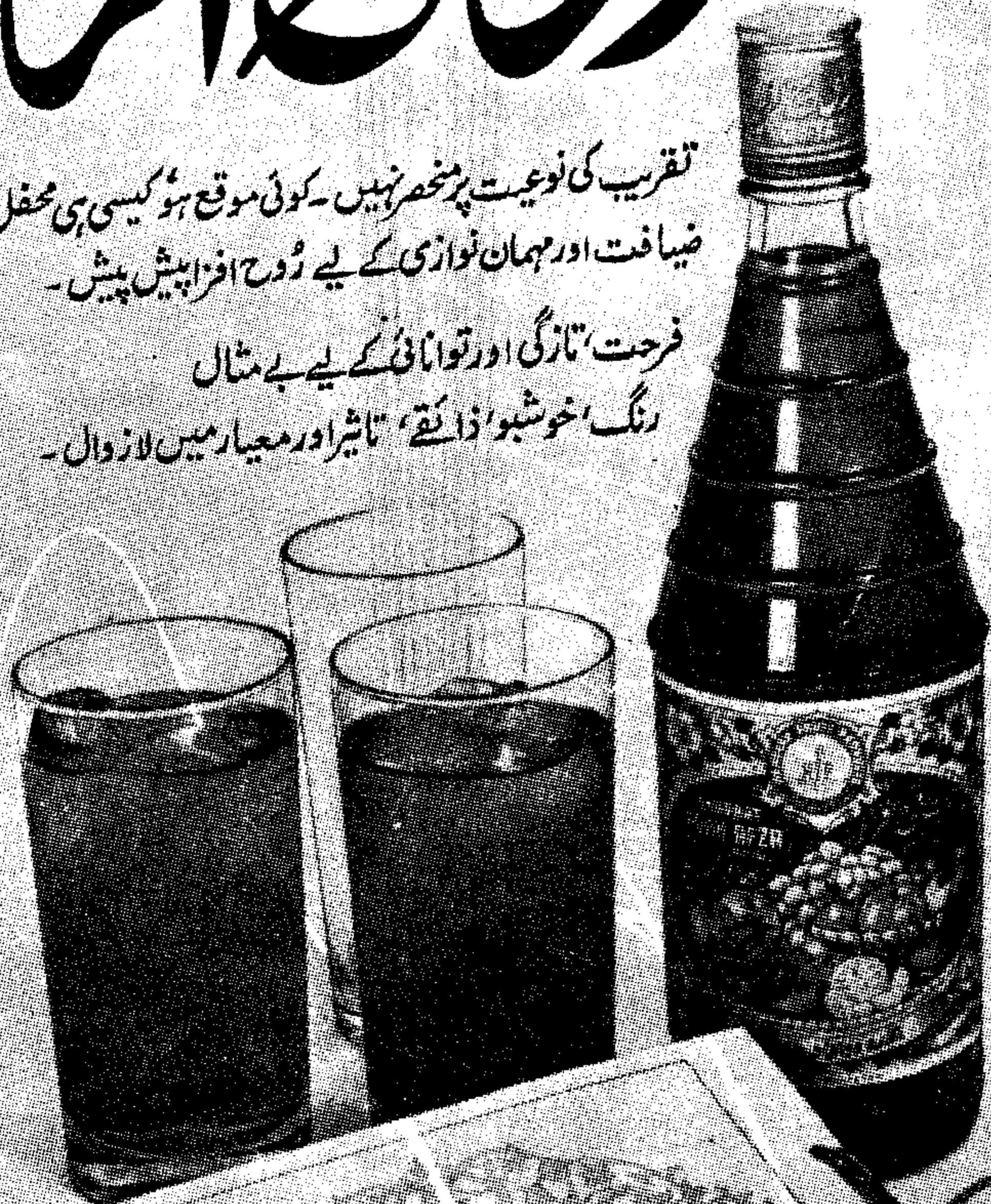
محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
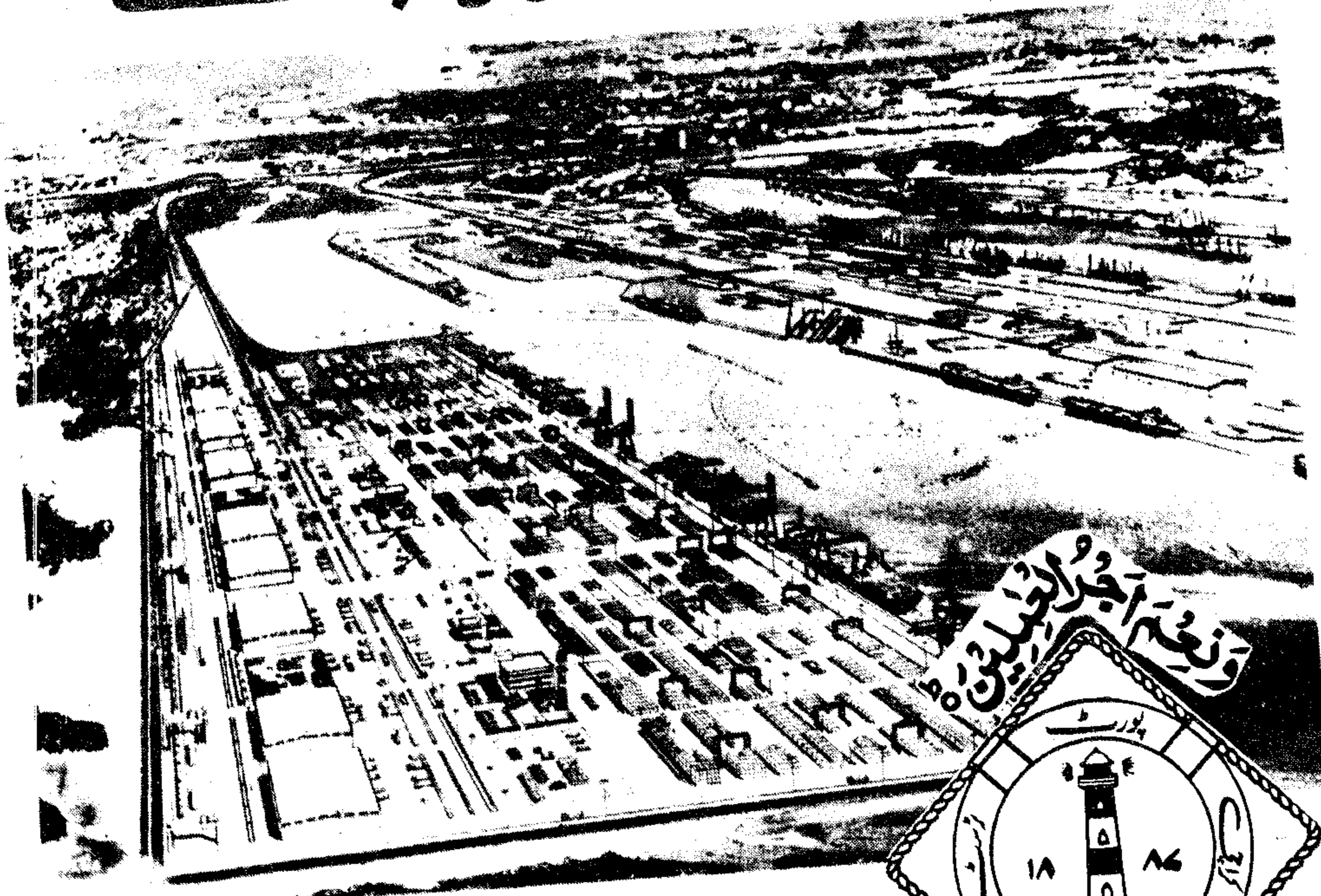
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- مستعد خدمات
- مسلسل محنت
- جدید ٹیکنالوجی
- باکفایت اخراجات

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT - 4 / 88. PID - Islamabad

بحث و تحقیق — مولانا مدرار اللہ مدرار ــــ جناب طالب ہاشمی صاحب

فتنۂ قادیانیت
اور
مولانا عبد الماجد دریابادی

شیخ اکبر اور ایمان فرعون | شیخ اکبر نے فصوص الحکم میں فرعون کے ایمان کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق ہونے کے وقت ایمان عطا فرمایا۔ پس اس کی ایسی حالت میں روح قبض کی کہ وہ طاہر و مطہر یعنی پاک و صاف تھا۔ اور اس میں کوئی گندگی نہ رہی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان لانے کے وقت اس کی روح قبض کی پہلے اس سے کہ اس سے کوئی گناہ صادر ہو۔ اور اسلام سابقہ گناہوں کو نابود کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے اس کو اپنی نشانی قرار دیا۔ اور یہ اس لئے کہ کوئی فرد اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائے (ارشاد خداوندی ہے) فانہ لا ییاس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ بیشک اللہ کی رحمت سے کافر قومیں ہی ناامید ہوتی ہیں۔

اس کے بعد شیخ اکبر لکھتے ہیں:۔

فلو کان فرعون ممن ییأس ما بادر الی الایمان۔

یعنی اگر فرعون مایوس لوگوں میں سے ہوتا تو ایمان کی طرف مبادرت نہ کرتا

(بحوالہ الحل الاقوم لعقد فصوص الحکم صہ ۹۲)

شیخ اکبر کا بیان طویل ہے بس پر انہوں نے ایمان فرعون پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں۔
لیکن حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر کے موقف پر اظہار رائے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "غرض شیخ اکبر کے دلائل سب مخدوش ہیں اور اس کے خلاف دلائل قویہ قائم ہیں جن میں تاویل مشکل ہے۔"
کتاب کے آخر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
خلاصہ مقام کا یہ ہوا کہ مسئلہ بالکل غلط جس کا قائل ہونا کسی کو جائز نہیں۔ لیکن چونکہ یہ غلطی شیخ کی

اجتہادی ہے۔ اس لئے ان پر تشنیع بھی جائز نہیں" (الحل الاقوم لعقد فصوص الحکم ص ۹۶)
اور آفتاب معرفت حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے خلاف ایسی ادیبانہ شان کے ساتھ اظہار خیال فرماتے ہیں کہ :۔

" ما را بہ نص کار است نہ بہ فص۔ ما را فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است "

امام مجدد نے شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا ہے اور اس کا درجہ بلند قرار دیا ہے لیکن شیخ اکبر کا کبھی ناگوار الفاظ میں ذکر نہیں کیا ہے۔
میری ان معروضات کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کو مسلّمہ اکابر کے حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہئے۔

لاہوری مرزائیوں کے عقائد پر ایک نظر

اس فرقے کے عقائد بظاہر قادیانی مرزائیوں کے مقابلے میں نرم نظر آتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق شبہات پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ہم مختصراً بتا دیں گے کہ دراصل لاہوریوں اور قادیانیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور دونوں کی اصلیت ایک ہی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ لاہوریوں کا دعویٰ ہے کہ وہ مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے جب کہ ہم ثابت کر دیں گے کہ یہ مرزا کو اسی طرح نبی مانتے ہیں جس طرح کہ قادیانی مانتے ہیں۔

چنانچہ لاہوری مرزائیوں کے امیر اول محمد علی مرزا غلام احمد کی نبوت کے اقراری ہیں وہ لکھتے ہیں :۔

(۱) "ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ آخری زمانہ میں ایک اوتار کے ظہور کے متعلق جو وعدہ انہیں دیا گیا تھا وہ خدا کی طرف سے تھا اور اس کو ہندوستان کے مقدس نبی مرزا غلام احمد قادیانی کے وجود میں خدا تعالیٰ نے پورا کر دکھایا" (بحوالہ ریویو آف ریلیجز۔ جلد ۵ نمبر ۶ ص ۳۱۴)

(۲) "ہر ایک نبی نے جو خدا کی طرف سے آیا ہے دو باتوں پر زور دیا ہے اول یہ کہ لوگ خدا پر ایمان لائیں اور دوسرا یہ کہ اس کی نبوت کو اور اس کو منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کریں .... بعینہ اس قدیم سنت الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو بھی مبعوث فرمایا"

(ریویو ریلیجز۔ جلد نمبر ۱۲ ص ۴۶۵)

اختصار کی خاطر یہ دو شواہد اس حقیقت کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ قادیانی مرزائیوں کی طرح لاہوری مرزائی بھی تمام امور میں مرزا کو اپنا مقتدا تو مانتے ہی ہیں انہیں نبی بھی مانتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے دیگر احکام قرآنی کے انکار کے علاوہ جہاد کی فرضیت سے بھی انکار کیا ہے۔ بلکہ اسے حرام قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال (بحوالہ اربعین)

مرزا قادیانی نے فارسی میں "ایام صلح" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں کہا ہے کہ :-

" حج بیت اللہ ممنوع شد " یعنی اب حج بیت اللہ ممنوع ہوگیا ہے۔

لاہوری اور قادیانی فرقے مرزا صاحب کی متابعت میں جہاد اور حج بیت اللہ دونوں کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جہاد اور حج بیت اللہ نصوص قرآن و حدیث سے صریحاً ثابت ہیں اور قرآنی آیات و احکام سے انکار کرنا کھلم کھلا کفر ہے۔ اور یہ دونوں فرقے اس انکار میں مشترکہ طور پر پیش ہیں۔ اونٹ سے کسی نے پوچھا کہ اونچائی اچھی ہے یا اترائی اس نے جواب دیا کہ دونوں سے اللہ بچائے۔ میں نے قادیانیوں کے ساتھ لاہوری مرزائیوں کے چہرے سے بھی پردہ اٹھایا کہ یہی وقت کا مقتضا تھا۔

بیا تا با تو گویم راز یاراں
کہ آں راز نظر پوشیدہ دارند

دعویدار نبوت اور سنجیدگی

مولانا دریابادی نے اپنی تفسیر ماجدی میں دعویٰ ختم نبوت کے بارے میں کہا ہے کہ " دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا کہ میں آخری پیغمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا اور اس دعوے کی بولتی ہوئی سچائی دیکھئے کہ اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی کے ساتھ دعویدار نبوت ہوا ہی نہیں "

اس پر جناب طالب ہاشمی صاحب نے تنقید کرتے ہوئے اپنے مقالے میں لکھا ہے :-

" مرزا غلام احمد کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے سنجیدگی سے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا پرلے درجے کی غلط اور گمراہ کن بات ہے "

جب کہ مولانا دریابادی اپنی مندرجہ بالا تحریر سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت کی عملی صداقت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ حضور نے یہ فرمایا کہ میرے بعد اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ تو اس دعوے کی یہ بولتی ہوئی سچائی ہے کہ اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں سنجیدگی سے دعویدار نبوت ہوا ہی نہیں "

اور جناب مقالہ نگار مولانا دریابادی کے اس فکر انگیز نکتے کو غلط اور گمراہ کن قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ دعوے میں سنجیدگی کا مطلب یہ ہے کہ مدعی جس قسم کا بھی دعویٰ کرے وہ معقولیت پر مبنی ہو۔ اور اس کے

لئے جو صلاحیت اور اہلیت ضروری ہو۔ وہ مدعی عملاً ثابت کرکے دکھائے۔ مثلاً جو شخص مجدد ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ عصری تقاضوں کے مطابق دین کو بلاکم وکاست جدید پیرائے میں پیش کرے ورنہ اس کا دعویٰ سنجیدگی تو کجا بیہودہ پن اور حماقت پر مبنی سمجھا جائے گا۔ یہی حال نااہل مدعی نبوت کا ہے۔ مرزا قادیانی نے نبوت کی بڑھک تو ماری لیکن اس کے لوازمات سے قطعاً عاری تھے۔ نہ اس نے دنیا کے سامنے کوئی نیا پیغام اور نئی دعوت پیش کی اور نہ بلندیٔ اخلاق اور کردار کی پاکیزگی کا سبق دیا۔ اور اسی چیز نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٔ ختم نبوت کی سچائی کو عملاً روز روشن کی طرح ثابت کر دیا۔ مولانا رومی نے کتنا سچ کہا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

غیر سنجیدہ دعویٰ قابل سماعت نہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ فقہ حنفیہ کے قوانین کے مطابق ہر دعویٰ قابلِ سماعت نہیں۔ اس کی صحت کے لئے چند شرائط مقرر ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ دعویٰ معقولیت اور سنجیدگی پر مبنی ہو۔ اور قابلِ ثبوت ہو۔ ورنہ مدعی کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ مثلاً مدعی کسی ایسے شخص کو اپنا بیٹا بتاتا ہے کہ اس کی عمر اس سے زائد ہے۔ یا جو چیز عادتاً محال ہے وہ بھی سنجیدگی پر مبنی ہونے کی وجہ سے قابلِ سماعت نہیں۔ مثلاً ایک شخص فقر وفاقہ میں مبتلا ہے سب لوگ اس کی محتاجی سے واقف ہیں۔ اغنیاء سے زکوٰۃ لیتا ہے اب وہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص کو میں نے ایک لاکھ اشرفی قرض دی ہے تو قاضی کی عدالت اس دعوے کو سماعت کے لئے قبول نہیں کرے گی۔

اسی طرح جس دعوے میں تناقض ہو وہ قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ امام راغب نے نقیضین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

والنقیضان من الکلام مالا یصح احدھما مع الاخر نحو ھو کذا ولیس بکذا فی شئی واحد

(المفردات ص ۵۲۴)

ایک دعویٰ میں دو ایسی متناقض باتیں کہی جائیں جن میں سے ایک دوسرے کے ساتھ صحیح وموافق نہیں ہوتی مثلاً ایک چیز کے بارے میں کہا کہ یہ چیز ایسی ہے اور ایسی نہیں ہے۔

تناقض سنجیدگی کے خلاف اور ہزل کے زمرے میں آتا ہے اس لئے جس دعوے میں تناقض ہو وہ غیر مسموع ہوگا

اب میں مختصراً مرزا صاحب کے چند دعاوی پیش کرتا ہوں۔ جن میں غیر سنجیدگی، یاوہ گوئی اور تناقض کا نہایت بے شرمی کے ساتھ مظاہرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً

۱- مرزا خدا کا باپ۔

مرزا لڑکے کے تولد ہونے کی پیش گوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ لڑکا ایسا ہوگا جیسا کہ خدا خود آسمان سے اتر آیا۔ (ازالہ اوہام صہ ۱۵۶)

۲- مرزا خدا کا بیٹا۔

"اسمع ولدی" میرے بیٹے سن (البشریٰ جلد اول صہ ۴۹)

۳- مرزا کا حیض

"بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔ یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پاوے۔ مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے الہامات دکھائے گا۔ جو متواتر ہوں گے۔ اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ بن گیا ہے۔

(تتمہ حقیقت الوحی صہ ۱۴۳)

۴- مرزا کو دردِ زہ

اور پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے۔ دردِ زہ تنہ کھجور کی طرف لے آئی (کشتی نوح صہ ۴۷)

۵- مرزا کا استقرارِ حمل

مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا (کشتی نوح صہ ۴۶)

مرزا صاحب کے مذکورہ دعاوی سنجیدہ تو کیا بچگانہ غیر شریفانہ اور مضحکہ خیز ہیں۔

انکارِ نبوت | ذیل میں مرزا صاحب کے انکارِ نبوت کے چند دعوے پیش کیے جاتے ہیں۔

۱- میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو اسلام سے خارج سمجھتا ہوں (فیصلہ آسمانی صہ ۳)

۲- مجھے یہ کہاں حق پہنچتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں۔ اور اسلام سے خارج ہو جاؤں اور قوم کافرین جا کر مل جاؤں اور یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ مسلمان ہو کر نبوت کا دعویٰ کروں (حمامۃ البشریٰ صہ ۷۹)

۳- آں جناب ختم المرسلینؐ کے بعد کسی دوسرے مدعیٔ نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں (دین الحق صہ ۳۰)

انکارِ نبوت کے بعد اب مرزا صاحب کے دعاویٔ نبوت ملاحظہ ہوں | (۱) سچا خدا وہی ہے جس نے قادیاں میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء صہ ۱۱)
(۲) میں اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔

کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ (تتمہ حقیقت الوحی ص۶۸)

۳۔ میں رسول اور نبی ہوں۔ (نزول المسیح ص۳)

۴۔ الہامات میں میری نسبت بار بار کہا گیا ہے۔ کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اس کا دشمن جہنمی ہے (انجام آتھم ص۶۲)

اب مسیح علیہ السلام کے بارے میں مرزا صاحب کے متضاد دعوے سنئے

۱۔ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے۔ اور جس غلبہ کاملہ کا اس آیت میں وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ حضرت مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا (براہین احمدیہ ص ۴۹۸)

(۲) (متضاد دعویٰ) مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ عیسیٰ مر چکے اور دنیا سے اٹھائے گئے پھر دنیا میں نہ آئیں گے۔ خدا نے حکم موت کا اس پر جاری کیا۔ اور پھر آنے سے روک دیا (مکتوب عربی ص۵)

مرزا صاحب کے مذکورہ غیر سنجیدہ، متضاد، متناقص بلکہ مضحکہ خیز دعاوی سے مولانا عبدالماجد دریابادی کا یہ قول روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی کے ساتھ دعویٰ دار نبوت ہوا ہی نہیں۔ اور یہی حضورؐ کے دعویٰ ختم نبوت کی بولتی ہوئی سچائی کا ثبوت ہے۔"

مشہور ضرب المثل ہے کہ "قول مرداں جاں دارد"

بلاشبہ اس ضرب المثل کی روشنی میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول نہ صرف جان دار بلکہ جاں بخش بھی ہے۔ اور جاں فزا بھی ہے

تاکہ تو آگاہ شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

جناب طالب ہاشمی صاحب کی جوابی تحریر

"الحق" کے تازہ شمارے میں ادیب کے موضوع پر مولانا مدرار اللہ صاحب کے مقالے کی پہلی قسط پڑھی اصولاً تو مجھے دونوں قسطیں پڑھ کر جواب دینا چاہئے تھا مگر زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہر وقت اپنے آپ کو پابہ رکاب سمجھتا ہوں اس لئے بلا تاخیر اپنی گذارشات پیش کر رہا ہوں۔ دوسری قسط آنے کی تو بشرط زندگی اس کا جواب بھی پیش کر دیا جائے گا۔

ناچیز حیران ہے کہ مولانا مدرار اللہ صاحب نے ایک سرسری بات کی تردید کے لئے اتنے طویل مضمون لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ مضمون کی طوالت اس کے مدلل ہونے کا ثبوت نہیں ہوتی۔ زیر نظر قسط میں نومبر ۸۹ء کے الحق میں ناچیز کی گذارشات میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ غیر متعلق سوالات اٹھا کر اور غلط مبحث کر کے اس معاملے کو مناظرانہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

جون ۸۹ء کے پرچے میں اس فقیر نے مولانا دریابادی مرحوم کی دینی خدمات کا برملا اعتراف کیا تھا یہاں تک کہ جن ارباب علم کی کتابوں سے احقر نے استفادہ کیا ان میں مولانا دریابادی مرحوم کا نام بھی شامل کیا تھا سرسری طور پر صرف اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ وہ باہمہ علم و دانش قادیانیت کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اس پر ان کی بیسیوں تحریریں اور "صدق جدید" کے فائل شاہد عادل ہیں۔ اس موقف پر وہ آخری دم تک ڈٹے رہے۔ قادیانیوں کی تکفیر کی مخالفت میں ان کا خط چند سال پہلے الحق میں بھی شائع ہو چکا ہے ان ناقابلِ تردید حقائق و شواہد کے ہوتے ہوئے مولانا دریابادی کو علم و تقویٰ اور سلوک و طریقت کے کتنے ہی بلند مقام پر آپ فائز کریں اور خواہ انہوں نے تفسیر ماجدی جیسی سو تفسیریں بھی لکھی ہوتیں اور خواہ روئے زمین کے تمام علماء و صلحاء نے ان کی تعریف و توصیف کی ہوتی۔ ان کی یہ لغزش اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ دین اور اولیائے کاملین کے صحبت یافتہ محروم نہیں ہوتے۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ان سے کوئی لغزش سرزد نہیں ہوتی۔

مولانا مدرار اللہ صاحب نے یہ جو لکھا ہے۔" طالب ہاشمی نے اپنے اولین مضمون میں جن اکابر سے متاثر ہونے کا ذکر فرمایا ہے"۔ تو گذارش ہے کہ اس عاجز نے محتاط پیرائے میں صرف اتنا لکھا تھا کہ ان حضرات کی کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا اور ان سے (ان معنوں میں) استفادہ کیا کہ ان کے مطالعہ سے مجھ میں علم و ادب کا ذوق پیدا ہوا اور تحقیق و تفحص کا جذبہ بیدار رہا ـــ ان حضرات کے تمام افکار و نظریات سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ فی الحقیقت ان میں کچھ ایسے حضرات بھی شامل ہیں جن کے بعض افکار و نظریات سے اس عاجز نے کبھی اتفاق نہیں کیا۔ اس لئے مولانا آزاد مرحوم اور مولانا مودودی مرحوم کے افکار و نظریات کو درمیان میں لانا محض غلط مبحث ہے۔ اگر ان کے افکار و نظریات غلط ہیں تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مولانا دریابادی مرحوم قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔

مولانا مدرار اللہ صاحب نے یہ لکھ کر لاشعوری طور پر اس عاجز کی تائید کر دی کہ :-

" طالب ہاشمی نے جو نکتہ اٹھایا ہے وہ مرزائیوں کے حق میں جاتا ہے "

جی ہاں یہی بات تو ہمارے لئے سوہانِ روح ہے کہ مولانا دریابادی کا مؤقف مرزائیوں کے حق میں جاتا ہے اس کا انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔ شاید ان لوگوں کے اخبارات و رسائل (الفضل، الفرقان، انصار اللہ، مصباح، خالد وغیرہ) کبھی مولانا کی نظر سے نہیں گذرے۔

احقر کو افسوس ہے کہ مولانا کو " مدعی سست گواہ چست " کے الفاظ ناگوار گذرے مگر وہ خود ہی بتائیں کہ جب مولانا دریابادی خود اپنی بیسیوں تحریروں کے ذریعے ببانگ دہل قادیانیوں کی حمایت کر چکے ہوں۔ ان کی " تبلیغِ مرزائیت " کو " تبلیغِ اسلام " قرار دے چکے ہوں اور ان کے دائرۂ اسلام سے اخراج کو غلط کہہ چکے ہوں اور آپ ان کے دفاع میں پورا زورِ قلم صرف کر رہے ہوں تو اسے مدعی سست گواہ چست کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

اب رہا مُردوں کو برا نہ کہنا۔ تو آپ نے ان احادیث سے خوب نتیجہ اخذ کیا ان کا یہ مطلب کہاں سے نکلتا ہے کہ مُردوں کے افکار و نظریات سے بھی بحث نہ کی جائے۔ اگر یہی بات ہے تو جرح و تعدیل کے فن کو کیا کہا جائے گا اور آپ نے جو مولانا آزاد مرحوم، اور مولانا مودودی مرحوم کے نظریات پر تنقید کی ہے یہ کس ذیل میں آئے گی اور یہ جو بعض گذرے ہوئے لوگوں کے افکار و نظریات کی تردید میں ہمارے اہل علم کتابوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں ان کو کیا کہا جائے گا ؟ اور پھر اس عاجز نے مولانا دریابادی کو برا کب کہا ہے اس کے برعکس ہر جگہ ان کو مولانا لکھا ہے۔ بلکہ رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھا ہے۔ ان کی ذات زیر بحث نہیں بلکہ صرف مرزائیوں کے بارے میں ان کا موقف زیر بحث ہے۔

کیا آپ کی یہ دلیل " ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ " کی مصداق نہیں ہے۔

جنابِ محترم ! ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ آپ جس انداز میں مولانا دریابادی مرحوم کا دفاع کر رہے ہیں کیا یہ مرزائیوں کو یہ کہنے کا موقع فراہم نہیں کر رہا کہ — لو جی آپ کے اتنے بڑے عالم، صوفی اور صاحب تقویٰ بزرگ بھی ہماری تبلیغی مساعی کے مداح تھے۔ اور ہماری تکفیر کے سخت خلاف تھے۔ آپ کس باغ کی مولی ہیں ؟

میرے محترم بزرگ! قادیانیوں کے بارے میں مولانا دریابادی کی غیر معمولی رواداری ایک ایسی اٹل حقیقت
ہے جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار۔ جب خود ان کی اپنی بیسیوں تحریریں اور بر کوچک پاک و ہند کے بے شمار صحا
ہر و نظر اس کے گواہ ہیں تو آپ لاکھ صفحے بھی ان کے دفاع میں لکھیں یہ حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ آپ
یہ طرز عمل کسی عنوان سے بھی مولانا دریابادی کی خیر خواہی نہیں۔ اس سے تو کئی سیدھے سادے مسلمان
وکہ کہا جائیں گے۔ کہ جب ایسے متقی اور جید عالم و مفسر بھی مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے تھے تو ہم کیوں ان کو کافر
ٹھیں۔ بالخصوص ایسے حالات میں کہ بعض لیڈر قسم کے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں جو اس قسم کے خیالات
حامل ہیں۔ جب آپ کے" دفاعی مضامین" کے جواب میں مولانا دریابادی مرحوم کی تحریروں کے اقتباسات
ں کئے جائیں گے تو یہ بر خود غلط لیڈر ان سے سند پکڑیں گے۔

مولانا مدرار اللہ صاحب کو پورا حق ہے کہ وہ دل کھول کر مولانا دریابادی کی تعریف و تحسین کریں اور ان کو
و تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز کریں۔ مگر ان سے درخواست ہے کہ وہ اس حد تک نہ جائیں کہ لوگوں کو
لانا دریابادی منزہ من الخطاء نظر آئیں۔ پہلے وہ مولانا کی تحریریں مرزائیوں کے بارے میں پڑھ لیں اگر انہوں
ان کا جگر نہ چھید دیا تو پھر وہ اس عاجز کے لئے جو سزا تجویز فرمائیں گے وہ اسے قبول ہوگی۔ ابھی تک تو یہی
لوم ہو رہا ہے کہ وہ مولانا دریابادی کی (مرزائیوں کے بارے میں) تحریریں پڑھے بغیر ہی بحث کر رہے ہیں۔ اس
جز نے نہ پہلے یہ کہا ہے اور نہ اب کہتا ہے کہ مولانا کو مرزائیوں کے عقائد سے کوئی تعلق تھا۔ ٹھوکر انہوں نے یہ
ئی کہ ان کی تکفیر کو ناجائز سمجھا اور ان کی تبلیغ کو تبلیغ اسلام سمجھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے مرشد گرامی
ارشادات کو درخور اعتنا جانا اور نہ دوسرے علماء حق کے فتاویٰ کو۔

یہ وہ حقیقت ہے جس کو احقر پہلے بھی ثابت کر چکا ہے اور آئندہ بھی ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے
ہے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے یہ ثابت کریں کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ مولانا دریابادی پر جھوٹی تہمت ہے
کے دلائل معقول ہوئے تو اس ناچیز کو انہیں قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس طرح اس کو تہمت
ری اور غلط بیانی کے گناہ سے توبہ کی توفیق بھی نصیب ہو جائے گی۔ اور آپ کو اجر عظیم مل جائے گا۔ ہر شخص
خرت میں اپنی جواب وہی خود کرنی ہے۔ اس عاجز کی غیرت دینی ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ مولانا دریابادی
اس غلط موقف کو نظر انداز کردے یا اس پر پردہ ڈالے۔ وما علینا الا البلاغ

ٹینڈر نوٹس

گورنمنٹ خوشحال خان خٹک انٹر کالج اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کو مبلغ تیس ہزار روپیہ (۳۰۰۰۰/-) مالیت کی لائبریری کتب کی خریداری کے لیے سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں جو کہ زیر دستخطی کو ۱۰ مارچ ۱۹۹۰ء تک پہنچ جانے چاہئیں، جو کہ اسی دن کھولے جائیں گے۔
کتابوں کی لسٹ دفتری اوقات کار میں یا جوابی لفافہ بھیج کر حاصل کی جا سکتی ہے۔

شرائط

(۱) ٹینڈر سربمہر لفافوں میں بذریعہ رجسٹری ڈاک بھیجنا ہوگا۔
(۲) ٹینڈر کے ہمراہ کل مالیت کا ایک فیصد کال ڈیپازٹ زیر دستخطی کے نام ہونا ضروری ہے۔
(۳) ٹینڈر منظور ہونے کی صورت میں کل آرڈر کا ۹ فیصد بطور ضمانت جمع کروانا ہوگا۔
(۴) کتب کی سپلائی ایف او آر کی بنیاد پر کالج کے گیٹ تک ہوگی۔
(۵) سپلائی کتب لسٹ کے مطابق نہ کرنے والے کی پے منٹ (ادائیگی) روک دی جائے گی۔
(۶) زیر دستخطی کو بغیر وجہ بتلائے کل یا جزوی طور پر تمام ٹینڈروں کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

پرنسپل

گورنمنٹ خوشحال خان خٹک انٹر کالج اکوڑہ خٹک

ضلع پشاور

INF(P)-930

حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب
ممبر سینٹ آف پاکستان

مسئلہ کشمیر

(ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں)

۲۲ فروری ۱۹۹۰ء کو سینٹ آف پاکستان میں کی گئی تقریر کی تلخیص

یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ ساری قوم اس مسئلے پر متفق اور متحد ہے اس کے لئے حزب اختلاف کو حزب اقتدار نے بھی بلایا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کوشش کی کہ دنیا کو یہ سمجھایا جائے کہ حزب اقتدار کا مسلک اور حزب اقتدار کا ہدف وہی ہے جو حزب اختلاف کا ہے۔ کسی مسئلے پر ساری قوم سارے شہر اور سارے علاقے کا اکٹھا ہونا چاہیئے۔ تاکہ مشترکہ طور پر ہم اس کا دفاع کر سکیں۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ قسم قسم کی بولیاں بولی جا رہی ہیں اور یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بعض دانشوروں کی جانب سے یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم جنگ کے متحمل نہیں ہیں ہم جنگ نہیں لڑ سکتے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق ہم نے اب یہ مسئلہ حل تو کرانا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ معذرت خواہانہ انداز میں یہ بھی کہتے ہیں یہ مسئلہ ہمارا نہیں ہے ہمارا اٹھایا ہوا نہیں ہے یہ بنیاد پرستوں کا نہیں بلکہ یہ وہاں کے باشندوں کا مسئلہ ہے ۔

در ماندہ صلاح و ترامیم الحذر   زین رسمہا کہ مردم عاقل نہادہ اند

اس کا مقصد یہ ہے کہ ملک کی تقسیم کا فلسفہ ہی غلط تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ نہیں سمجھا ہم نے کشمیر کو وہاں کے چند باشندوں کا مسئلہ سمجھا ہے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ اپنی جدوجہد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ بزدلی کی بات کوئی ہو نہیں سکتی کہ یہ کہا جائے کہ کشمیریوں کی حمایت اس طریقے سے کر رہے ہیں کہ جس طریقے سے ہم نے نمیبیا کی آزادی کی حمایت کی ہے یا ہم نے فلسطین کے حریت پسندوں کی حمایت کی ہے یا ہم نے دنیا کے حریت پسندوں کی حمایت کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ہمارا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہمارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں جب کہ اقوام متحدہ کے اندر پاکستان یہ لکھ کر دے چکا ہے کہ پاکستان کشمیر کا وکیل ہے۔ اور پاکستان کشمیر کی جانب سے وہاں کا مختار عام ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان ہی کا فرض تھا کہ وہ اس مسئلہ کو اٹھاتا اور آگے بڑھاتا۔ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ کشمیریوں کو اس کے اندر شامل کیا جائے یہ ہماری زبان کی لکنت ہے

ہم اپنی ترجمانی صحیح نہیں کر سکتے۔ جب اقوام متحدہ میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ پاکستان کشمیریوں کا وکیل ہے تو بحیثیت وکیل ہمارا کوئی موکل بھی ہونا چاہئے اور ہمارا موکل وہی کشمیر کا علاقہ تو ہے اور وہاں کے لوگ ہمارے موکل ہیں جب وہ ہمارے موکل ہیں تو ان کا اس کے ساتھ فریق بنانے میں کیا اشکال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مسئلے کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتے۔ بسا اوقات بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس مسئلے کو قانونی طور پر اقوام متحدہ میں نہیں اٹھا سکتے اور بسا اوقات یہ حکومت کے بڑے بڑے کارندوں کی جانب سے بھی کہا جاتا ہے۔ اقبال اخوند صاحب جو آج ہماری ترجمانی کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں اس نے ۸ فروری کو نوائے وقت میں کہا ہے کہ اس مسئلے کو ہم اقوام متحدہ میں لے جانے کے لئے سوچ رہے ہیں۔ لیکن بیان کے اندر جو آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس کو اقوام متحدہ میں نہیں لے جا سکتے۔ اگر آپ اس کو اقوام متحدہ میں نہیں لے جا سکتے تو پھر آپ بیرونی ممالک کے دورے کا ہے کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ پاکستان کی ترجمانی ہرگز نہیں۔ پاکستان کی ترجمانی کے لئے ایک اعلیٰ سطح کا وفد بھیجنا چاہئے تھا۔ ایک جانب ہم کچھ خطوط لکھ کر ان ممالک کی خدمت میں بھیج رہے ہیں۔ کہ مہربانی کر کے ہمارے یہ خطوط پڑھ لو یہ ہمارے ترجمان ہیں۔ آپ کل کے پرچہ نوائے وقت میں دیکھیں۔ اقبال صاحب روس گئے ہماری صرف اتنی بات دو سطور میں آگئی ہے کہ انہوں نے اپنا خط پہنچا دیا اور روس کے وزیر خارجہ سے اس نے کشمیر کے مسئلے پر بھی تبادلہ خیال کیا ہے۔ اس کے بعد روس کے وزیر خارجہ نے اپنے جتنے بھی مطالبے تھے اور جتنے بھی ان کے مسائل تھے خصوصیت سے افغانستان کے سلسلے میں وہ سارے کے سارے ان کے سامنے بیان کر دئے وہ ساری تفصیل اس کی آئی ہے ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہماری ترجمانی عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے کس طریقے سے کی جا رہی ہے اگر یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم کشمیریوں کی حمایت اسی طریقے سے کرتے ہیں کہ جس طریقے سے ہم نے نیمیبیا کی کی ہے جس طریقے سے ہم نے فلسطین کی کی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ؎

آسماں دشمن ہو کیوں اس کا

جس کے تم دوست بن گئے

یہ ترجمانی کس کی ہو رہی ہے میرے نزدیک یہ انڈیا کی حمایت ہے ہماری ترجمانی نہیں کہ دنیا کے اندر یہ کہا جائے کہ ہم اسلام کی بنیاد پر یہ حق نہیں مانگ رہے بلکہ معمول کے مطابق حریت پسندوں کی حمایت ہے۔ یہ ملک جو تقسیم ہوا ہے اس بنیاد پرستی کی بنیاد پر ہی ہوا ہے۔ جس کو آج ہم اپنے لئے عار اور شرم سمجھتے ہیں اور جب کبھی بھی کشمیر کا مسئلہ زبان پر آتا ہے تو ہم اسلام کا نام وہاں نہیں لیتے حالانکہ کشمیر کے مسئلے کی بنیاد اسی پر ہے اور اسی بنیاد پر ہمارا مطالبہ ہے اور اسی کو اقوام متحدہ نے تسلیم کیا تھا کہ راجہ نے وہاں جا کر الحاق کا اعلان کیا۔ مسلمان اکثریت نے اسلام کی بنیاد پر انکار کیا۔ مسٹر نہرو نے اقوام متحدہ میں جا کر کہہ دیا تھا کہ ٹھیک ہے اس کے الحاق کا اعلان صحیح نہیں ہے اور یہ علاقہ متنازعہ فیہ ہے اب اگر ہم اصل دعوے سے دست بردار ہوں تو پھر ہمارے پاس اور کیا رہ جاتا ہے۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں ان کی فوجیں آئی ہیں۔ جب مقبوضہ کشمیر آپ کا متنازعہ علاقہ ہے وہ جھگڑے کا علاقہ اور اس کا فیصلہ ہونا ہے۔ آپ اس کے وکیل اور مختار عام ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ بین الاقوامی دنیا کو یہ باور کرائیں کہ بھارت ہمارے گھر پر حملہ آور ہوا ہے اس لئے کہ جو متنازعہ فیہ علاقہ ہے اس میں بھارت کو آنے کا کیا حق پہنچتا ہے کہ وہاں غیر محدود فوجیں بھیجے اور تباہی سے بچائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر میرے پڑوس میں میری دیوار کے پیچھے دشمن کی فوجیں مورچہ بند ہو جاتی ہیں تو میں اس صورت حال میں کیسے مطمئن بیٹھ سکتا ہوں۔ آپ نے دنیا کو یہ بتلانا ہے کہ آج ہم جارحیت کا شکار رہیں جارحیت ہو رہی ہے۔ اور ہم نے مجبوراً اس جارحیت کا مقابلہ کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ کہوں گا کہ اگر ان لوگوں کے ہاتھ میں یہ بات رہی جو اسلام کا نام لینے سے شرماتے ہیں تو پاکستانی کبھی نہیں لڑ سکے گا۔ آج افغانستان کی جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا کے اندر سب سے بڑی قوت اسلام ہے۔ اسلحہ نہیں۔ ہم ہندوستان کو کہتے ہیں کہ وہ روس کے حالات سے عبرت حاصل کرے۔ تمہاری طاقت روس کی طاقت سے زیادہ نہیں۔ تمہاری فوج روس کی فوج سے زیادہ نہیں۔ تمہاری تعداد روس کی تعداد سے زیادہ نہیں۔ تمہارے وسائل روس کے وسائل سے زیادہ نہیں۔ اگر روس اسلام سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور اس کی ہر ریاست کے اندر بغاوت ہے۔ ہندوستان میں بھی ایک قوم نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان میں سینکڑوں قومیں آباد ہیں۔ اگر اسلام کے ساتھ اس نے ٹکر لی تو نتیجہ روس سے مختلف نہیں ہوگا۔ اور فتح ہماری ہوگی۔

اگر آج ہمارے پاس کچھ ہے تو وہ صرف اور صرف قوت ایمانی ہے۔ اس لئے ہمارے حکمرانوں کی زبانوں میں لکنت ہے وہ ساری دنیا کے سامنے یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی حمایت کر رہے ہیں جس طریقے سے ہم نے نمیبیا کی کی ہے جس طریقے سے فلسطین کی کی ہے۔ یہ غلط بات ہے، یہ پاکستان کی ترجمانی نہیں ہے۔ اگر ہمارے سفیر باہر جا کر اور ہمارے ایلچی باہر جا کر ہماری یہ ترجمانی کرتے ہیں تو ہم اس ترجمانی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہ ہماری ترجمانی نہیں، یہ پاکستان کی ترجمانی نہیں۔ یہ پاکستانی مسلمانوں کی ترجمانی ہرگز نہیں یہ کسی اور کی ترجمانی ہو تو ہو، ہماری ترجمانی نہیں۔

میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں سے عرض کروں گا کہ وہ سوچیں کہ تمہاری باتوں میں کتنا تضاد ہے اپنی بات کو ایک کرو کہ دنیا کے سامنے کیا پیش کرنا ہے ان سے کیا کہنا ہے۔ اور اس سے کیا مانگنا ہے۔ اس لئے میری گذارش ہوگی کہ ہمیں دنیا کو عملی طور پر یہ دکھانا ہوگا کہ واقعی کشمیر کا مسئلہ آج آتش فشاں بنا ہوا ہے اور وہ کبھی پھٹ سکتا ہے۔ صرف زبان سے کہنے کی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے ہمارے سامنے تاریخ ہے قوموں کے واقعات موجود ہیں۔ جنگ عظیم کے زمانے میں برطانیہ نے دیکھا کہ ہم پر جنگ مسلط کی جا رہی ہے۔ چرچل کو بلا کر وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ اس لئے کہ قومی مسئلہ تھا۔ ملک کے ہر ہر چپہ پر جلوس نکالے جا رہے ہیں اس کے لئے عملی صورت یہ ہے کہ قومی

حکومت کسی جوان تجربہ کار مرد کے زیر نگرانی بناؤ۔ اس لئے کہ یہ قوم کا مسئلہ ہے ملک کا مسئلہ ہے اور ملک کے تحفظ کا مسئلہ ہے لہذا قومی حکومت کسی تجربہ کار مرد کی زیر نگرانی بننی چاہیئے جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں شامل ہوں۔ اس سے عالمی طاقتوں کو باور ہو گا کہ واقعۃً ہمیں خطرہ ہے۔

صرف زبانی دعوؤں سے دنیا کو یقین دہانی نہیں کرائی جا سکتی۔ یہ دلیل کہ ہم ان کے ساتھ بھی اتنی ہمدردی رکھتے ہیں جیسے نیمیبیا کے ساتھ رکھتے تھے۔ خدا کے لئے یہ قوم تباہ کرنے کی داستان ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ قوم اور فوج کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ میں فوج کی لڑائی کا قائل نہیں ہوں۔ آج بھی کہتا ہوں کہ اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ پہلے اپنی مغربی سرحد کی حفاظت کریں۔ اور اس کی حفاظت کا طریقہ کار صرف اور صرف ایک ہے کہ مجاہدین کے مسئلہ کو حل کرو اور انہی کی مرضی کے مطابق حل کرو۔ جب کہ اس کا واحد طریقہ کار یہ ہے کہ ان کی عبوری حکومت کو تسلیم کر کے ان سے انتخاب کراؤ تاکہ ان کی مستقل حکومت وہاں بن جائے تین مہینے کے اندر ان سے کہا جائے کہ انتخابات کراؤ اور اپنے ملک میں چلے جاؤ۔ اگر آپ ان کی عبوری حکومت کو تسلیم کرتے ہیں اور انتخابات کراتے ہیں تو پھر وہ مجبور ہیں کہ اپنے ملک میں چلے جائیں۔ جب وہ اپنے ملک میں چلے جائیں گے تو آپ کو ایک کروڑ انسانوں کی رضا کارانہ سپاہی مل جائیں گے۔ آپ پر میزائل نہیں گر سکتے۔ جب کہ آج ہم ان کے میزائلوں کا جواب تک نہیں دے سکتے۔ ہمیں بتلایا جاتے کہ ہم پر میزائل پھینکے گئے ہم نے کیا جواب دیا ہے؟ ہم نے صرف یہ کہا کہ دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ ورنہ پھر دیکھا جائے گا۔ ہندوستان نے ہمارے آدمیوں کو چکوٹھی اور دوسرے مقامات پر شہید کیا۔ ہم نے کہا خبردار ایسا نہ کرنا۔ بھائی وہ ہمارے گھر میں داخل ہو کر تباہی مچا رہے ہیں۔

تمہاری زبان میں لکنت کیوں ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم خط دے کر ایلچیوں کو بھیجتے ہو۔ وزیر خارجہ کیوں بیٹھا ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ وزیر خارجہ حزب اختلاف کے ساتھ اعلیٰ سطحی وفد لے کر بین الاقوامی دنیا میں جائے تاکہ صحیح طور پر ہماری ترجمانی ہو سکے۔ ڈاکیے کو خطوط دے کر بھیجتے ہو کہ یہ ڈاک پہنچا دو۔ اگر ڈاک کے ذریعے بھیج کر یہ کہہ دیتے کہ یہ اہم ترین خط ہے خدا کے لئے اس پر توجہ کرو۔ خرچ بھی ہمارا نہ ہوتا۔ وقت بھی ضائع نہ ہوتا۔ لیکن اگر مسئلہ اہم ہے اور اس کی کوئی اہمیت ہے تو اعلیٰ سطح کے وفود بھیج کر عالم اسلام کو بتلاؤ کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ آج ہمارا ملک ہٹ رہا ہے۔ ہماری مشرقی اور مغربی دونوں سرحدات غیر محفوظ ہیں۔ سندھ کے اندر ہماری کیفیت یہ ہے کہ آج خود وزیر داخلہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں بیرونی مداخلت ہو رہی ہے۔ آج وہ وہی بات تسلیم کر رہے ہیں جس کے لئے ہم ایک سال سے چلا رہے ہیں کہ خدا کے لئے وہاں بیرونی مداخلت ہو رہی ہے لیکن اس وقت تسلیم کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ اب ہم کہاں جائیں۔ اور کس کے سامنے فریاد کریں۔ یہ ہمارے جو بڑے بڑے بیٹھے ہیں کیا ان کا فرض نہیں ہے کہ ملک کے سرحدات اور ملک کے نظریات کا تحفظ کریں۔ جو لوگ ملک کے نظریات

کے تذکرہ سے بھی شرماتے ہیں۔ان کو ہماری نمائندگی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

آخر میں میں گذارش کروں گا کہ اگر واقعتہً یہ مسئلہ اہم ہے تو دنیا کو عملی طور پر یہ باور کرانے کے لئے قومی حکومت بناؤ جو کسی تجربہ کار مرد کی نگرانی میں ہو اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی میں اعلیٰ سطحی وفود بھیجو۔ یہ کہنا سراسر خلاف حقیقت ہے کہ ہم کشمیر کی حمایت نمیبیا یا فلسطین کر رہے ہیں۔جب کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے کیا ہم اپنی شہ رگ کو نہیں جانتے جس پر زندگی اور موت کا دار و مدار ہے۔ نمیبیا اور فلسطین کے ساتھ انسانی ہمدردی ٹھیک ہے۔کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قوم پر ظلم ہو رہا ہو ہم اس کی حمایت کریں گے۔ اور ان کی مناسبت کے لحاظ سے اقدام کریں گے۔لیکن کشمیر میں تو ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹے جا رہے ہیں۔ ہاتھ پاؤں نہیں شہ رگ کاٹی جا رہی ہے۔

آخری بات کہتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ کہنا غلط ہے کہ مشرقی یورپ میں آزادی کی لہر آئی اور کشمیری اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ صرف موسم اور ہوا کی تبدیلی کی بات نہیں۔ راجیو نے ۱۷ جولائی کو پاکستان کے دارالخلافہ میں بیٹھ کر وزیر اعظم اور سارے پاکستانیوں کے سامنے یہ کہا کہ کشمیر کا مسئلہ ختم ہو چکا ہے کیونکہ وہاں رائے شماری ہو چکی ہے لہذا وہاں کوئی بات باقی نہیں رہی۔اس سے اشتعال ہوا۔ جواباً کشمیری اٹھ کھڑے ہوئے اور آج کشمیر کے گلی گلی اور ہر مسجد کے اندر آزادی کی آواز گونجی۔ جو لوگ مسجد سے بھاگ کر بنیاد پرستوں کا نام لینے سے شرماتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ تحریکیں جب چلتی ہیں تو اس کی آوازیں مسجد سے گونجتی ہیں۔ پناہ بھی مسجد میں ملتی ہے۔ آج کشمیر کے اندر جو بھی اعلان ہوتے ہیں۔مسجد کے لاؤڈ سپیکروں سے ہوتے ہیں۔ پناہ پھر بھی خدا کے گھر میں ملتی ہے۔لیکن کامیابی کے بعد اقتدار پر ملحدوں کو بٹھایا جاتا ہے۔جو بنیاد پرستوں کا نام سن کر شرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بنیاد پرست نہیں حقیقت میں وہ مذہب کے قائل ہی نہیں۔اور پھر وہ ہماری ترجمانی کرتے ہیں۔ تو میں عرض کروں گا کہ کشمیریوں کی بیداری ایسے ہی اچانک اور اتفاقاً نہیں ہے۔کہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا دیکھی یہ تحریک شروع کر دی نہیں انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ اب ہماری حق تلفی ہو رہی ہے کہ جب ہمارے وکیل پاکستان کے سامنے یہ بات ہو رہی ہے اور وہ خاموش ہیں۔ لہذا اب ہمیں اپنا حق خود منوانا ہوگا۔اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے لہذا انہیں دنیا میں حق ملنا چاہئے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

UF
UNIFOAM
ہر گھر
ہر دفتر
کی زینت
یونی فوم
جہاں آرام کا نام آیا - آپ نے یونی فوم کو پایا

جناب مفتی غلام الرحمٰن
استاذ حدیث و مفتی دارالعلوم حقانیہ

اسلامی قوانین، جامعیت و اہمیت

انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے معاشرہ سے اس کا تعلق لازمی ہے۔ تجرد، انفرادیت اور رہبانیت شرعاً اور عقلاً ہر لحاظ سے قبیح سمجھی جاتی ہیں۔ انسان کائنات عالم کی خوبصورتی اور زینت ہے۔ یہ خوبصورتی ایک اچھے معاشرہ کی صورت میں باقی رہے گی۔ انسان کی ضروریات اور حوائج کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے جملہ ضروریات بذات خود پورا نہیں کر سکتا بلکہ معاشرہ میں رہ کر ایک دوسرے سے فائدہ اور استفادہ کی ضرورت ہوگی۔

قانون کی حقیقت | فائدہ اور استفادہ میں اگر انسان کو کھلی طور پر اجازت دی جائے اس پر کوئی پابندی نہ رہے تو اس سے انسان کی زندگی تباہ ہوگی۔ ایسی صورت میں جبر و تشدد، حرص و لالچ، ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگا۔ انسانی زندگی گذارنے کے لئے، انسانی معاشرہ کے لئے ضابطہ حیات ضروری امر ہے جس میں معاشرہ بربادی سے محفوظ ہو۔ انسان کی زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس میں اس کو قانون کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً اگر انسان کی ابتدائی زندگی یعنی بچپن میں اس کی زندگی کا تحفظ قانونی ذریعہ سے نہ ہو۔ تو اس سے اس کی تربیت و تعلیم کا پیارا مرحلہ ضائع ہو سکتا ہے۔ اگر جوانی میں ضابطہ حیات کی پابندی کا احساس نہ ہو تو اس سے انسان شباب کے وقت ایسی راہ پر چل سکتا ہے جس سے تباہ ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر بڑھاپے اور ناتوانی کی حالت میں انسان کو مکمل تحفظ میسر نہ ہو تو اس سے خودکشی جیسے قبیح امور کے ارتکاب کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ غرض انسان زندگی کے ہر مرحلہ میں کسی نہ کسی ضابطہ حیات کا محتاج ہے۔

انسانی زندگی کے سنوارنے کے لئے اس ضابطہ حیات کا دوسرا نام "قانون" اور "آئین" ہے، علماء قانون کی نظر میں جامع تعریف یوں کی گئی ہے۔ قانون ایسے مجموعہ کا نام ہے جس میں مروجہ مسلمہ، سماجی، معاشی تہذیبی اور سیاسی قدروں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

قانون کی ضرورت | اسلام کی نظر میں تو مکلف انسان قانون اور ضابطے کا باقاعدہ پابند ہے۔
حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " الدنیا سجن المومن "، دنیا مسلمان کے لئے ایک جیل خانہ ہے جہاں اس کی ہر ایک حرکت قانون اور ضابطہ کے تحت ہوگی۔ مذہب کے لحاظ سے یہ پابندی لازمی امر ہے۔ آج کے نام نہاد جمہوریت پسند اور حریت پسند لوگ بھی قانون کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ ان کے ہاں بھی قانون کی پابندی لازمی امر ہے۔ اگرچہ زبان پر آزادی کا پیارا نعرہ ہر وقت دھوکہ دینے کے لئے حاضر رہتا ہے۔ لیکن ان کی آزادی کی حقیقت صرف اور صرف مذہب اور عقیدہ سے آزادی سے عبارت ہے۔ آج اگر یورپی ممالک کی مثال لی جائے تو وہاں پر قانون کی ضرورت سب سے زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ مثلاً لاکھوں لوگ مغربی ممالک میں رہائش چاہتے ہیں لیکن قانون کی پیچیدگی کی وجہ سے وہاں رہائش نہیں رکھ سکتے۔ قانون ہی ان لاکھوں افراد کی خواہش کی تکمیل کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر انسانی خواہش کو پابند رکھنا جرم ہو تو پھر سب سے بڑے مجرم آج ترقی یافتہ ممالک ہیں۔ جنہوں نے غریب ممالک کے لوگوں پر اپنے ملک کے دروازے بند کر دئے ہیں۔ ان ممالک میں تاجر و مالک، کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان تعلقات بنانے کا واحد ذریعہ قانون سمجھا جاتا ہے۔ جب ترقی یافتہ ممالک کی کشتی قانون کے بغیر نہیں چل سکتی تو ترقی پذیر ممالک میں قانون کی ضرورت اس سے بھی زیادہ ہونی چاہئے۔

قانون کی ابتداء | اسلامی نقطہ نظر سے قانون کی بنیاد ہبوط آدم سے شروع ہوئی ہے۔ گویا انسان کو جب خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تو خلافت چلانے کے لئے قانون کی ضرورت خود بخود محسوس ہوئی۔ موجودہ دور کے قانونی ماہرین کی رائے یہ ہے کہ خاندان اور قبیلہ کے وجود کے ساتھ ہی دنیا میں قانون کا ظہور ہوا۔
انسان نے حرص اور لالچ سے جب ہم نوع کے حقوق پر دست درازی شروع کی تو حفاظت حقوق کے فطری جذبہ نے لوگوں کے اندر قانون کی ضرورت کا احساس ابھارا۔ چنانچہ غیر اختیاری طور پر خاندانوں اور قبیلوں میں عرف رواج یا دوسرے ایسے قواعد پیدا ہوئے جس کے تحت زندگی گذارنی ضروری ہوئی۔ جوں جوں خاندان اور قبیلہ میں وسعت پیدا ہوئی۔ تو قانون کی ضرورت میں شدت پیدا ہوتی رہی۔ اس شدت کے ساتھ قانون کو معاشرہ کے حالات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے جدت اور تبدیلی لازمی رہی۔ یہ قانون کے لئے اگرچہ طفولیت کے ادوار تھے۔ لیکن پھر ایک خاندان اور قبیلہ میں قانون لازمی امر رہا۔ خاندان اور قبیلہ سے انسانی معاشرہ جب ریاست کی شکل میں تبدیل ہوا تو قانون نے دوسرا قدم اٹھایا۔ اور جب ریاست سے سلطنت اور حکومت کی صورتیں سامنے آئیں تو اس سے قانون میں اور بھی جدت پیدا ہوئی۔ گویا انسانی زندگی کے اول روز سے قانون کو

اہم حیثیت حاصل ہے۔

قانون کی قسمیں تاریخ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے اصلاح کے لئے دو قسم کے قوانین وضع ہوئے پہلی قسم وہ ہے جو انسانی نے خود اپنے لئے بنایا۔ مقنن خود بھی اس کا پابند رہا۔ اس قانون میں عموماً وقت اور حالت کی رعایت ہوتی رہی۔ مقنن ماحول کے حالات کو مدنظر رکھ کر قانون مرتب کرتا رہا جب حالت کی تبدیلی ایک لازمی امر تھا تو اس قانون میں بھی ترمیم و اضافے روزمرہ کا ایک معمول رہا۔ قانون کی اس قسم کو ہم "انسانی قانون" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا بنانے والا خود انسان ہوتا ہے اور یہ انسانی دماغ کا اثر ہے۔

دوسری قسم قانون وہ ہے جس کے بنانے والا بالائی طاقت رہی۔ یعنی مقنن نے اپنی ضروریات کے لئے نہیں۔ بلکہ دوسروں کی ضروریات کے لئے قانون وضع کیا۔ اس میں وقتی مصلحت یا حالات کی ضرورت کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ بلکہ ابدی ضرورت کو مدنظر رکھ کر قانون بنایا تھا۔ اس لئے وقت اور ضرورت کی تبدیلی سے اس کے قانونی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ عمر بھر کے لئے قابل عمل رہا۔ اس قانون کو "رحمانی قانون" کہا جاتا ہے۔

انسانی قانون کی حقیقت آج قانون کا لفظ بول کر معاشرہ میں اس سے اول الذکر قانون مراد لیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ جو ذہنی جمود کے شکار ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک قانون صرف انسانی قانون سے عبارت ہے مذہب یا عقیدہ کا قانون سے کوئی رشتہ نہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک "قانون اجتماعی زندگی کا محافظ ہے جبکہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قانون ایک انسان کا دوسرے انسان سے تعلقات کا تعین کرتا ہے جب کہ مذہب خدا اور انسان کے تعلقات کا تعین کرتا ہے۔ یہ رائے حقیقت اور واقعات سے صریح مخالف ہے۔ لہٰذا ایسی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ انسانی قانون نے کچھ اچھے ثمرات بھی دکھائے۔ لیکن "واثمھما اکبر من نفعھما" یعنی ثمرات سے مضرات زیادہ ہیں۔ قانون کی یہ شکل ہر دور میں مختلف رہی۔ قدیم مدت میں قانون امیر یا خاندانی سربراہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہوتی۔ خاندانی سربراہ جو قاعدہ مقرر کرتے تو اس کو قانون کا درجہ حاصل رہتا۔ کسی کو اس سے مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔ ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں بڑی شدت سے اس کا محاسبہ کرتے۔

اٹھارھویں صدی کے آخر سے جب انسانی حقوق کے تحفظ کا نیا نعرہ لگا کر جمہوریت کی آواز بلند ہوئی تو اس سے قانون بنانے کے طریقہ کار میں کافی تبدیلی آئی۔ موجودہ وقت کے قانونی ذخائر اور حالات و واقعات خاص کر جمہوری اصول کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں انسانی قانون کے بنانے والے تین

شعبے ہیں۔

مقننہ کے مختلف شعبے انسانی قانون بنانے میں تین شعبوں کا بڑا دخل ہے۔ گویا یہ تینوں انسانی قانون کے ماخذ اور مراجع ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ سربراہ مملکت ۔ ۲۔ آئین ساز ادارے ۔ ۳۔ عدالتی نظائر

سربراہ مملکت یہ شعبہ قدیم دور کے خاندانی سربراہ کی ایک جدید شکل ہے۔ البتہ قدیم دور میں خاندانی سربراہ مختار کل ہوتا۔ اور اس دور اس شعبہ کو محدود اختیارات حاصل ہیں۔ سربراہ مملکت مفاد عامہ کے پیش نظر ہنگامی حالات میں نظریہ ضرورت کے تحت کوئی نہ کوئی قانون "آرڈی ننس" کی صورت میں نافذ کرسکتا ہے۔ اگرچہ سند منظوری کے لئے کسی پارلیمنٹ کی طرف رجوع ضروری ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی قانون بنانے میں سربراہ مملکت کافی دخل رکھتا ہے۔

آئین ساز ادارے قانون بنانے والوں کا دوسرا اہم شعبہ "آئین ساز" ادارہ ہے جمہوری ممالک میں اس ادارہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایسے ادارہ کی محنت اور سعی سے بنا ہوا قانون جدید ذہن والے صحیفہ آسمانی کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اس میں ترمیم و اضافہ کا حق بھی متعلقہ ادارہ کو حاصل رہتا ہے۔ آج کل قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور سینٹ کے ادارے اس کے نمونے ہیں۔ ان اداروں میں کثرت رائے سے جو بات سامنے آتی ہے اس کو ملک کا قانون سمجھا جاتا ہے۔ اس میں رؤس کی کثرت کا اعتبار رہتا ہے جس بات کی حمایت میں زیادہ ووٹ نکل آئے تو وہ قانون رہتا ہے گویا اس میں تمام تر فیصلے کثرت رائے پر مبنی ہیں۔ اگرچہ قانونی شکل کے لئے اس میں (BILL) وغیرہ کے مراحل سے نکلنا پڑتا ہے۔ لیکن منظوری کے بعد قانونی قالب میں اس کو ڈال کر ملک کے قانون کا مستقل حصہ بن جاتا ہے۔

عدالتی نظائر انسانی قانون کا تیسرا ماخذ، عدالتی نظائر ہوتے ہیں۔ ملک کی عدالت عالیہ اپنی صوابدید پر قانون کی کوئی تعبیر کی رو سے جو فیصلہ کرتے ہیں تو ماتحت عدالت اس کو دیکھ کر فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے پاکستان کی اعلیٰ عدالت "سپریم کورٹ" نے جب ایک فیصلہ کیا تو "ہائی کورٹ" یا ماتحت عدالتیں اس فیصلہ سے متاثر ہوتی ہیں زیریں عدالتیں اپنے فیصلے بھی اس کا لحاظ رکھتی ہیں تو یہ فیصلے مستقل قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

عہد حاضر میں انسانی قانون یا قانون سازی انسان کے بنیادی حقوق کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔

رحمانی قانون کی حقیقت قانون کی دوسری قسم یعنی "رحمانی قانون" کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے جب حضرت آدمؑ کو جنت سے اتار کر زمین پر بھیجا تو اس وقت حضرت آدمؑ سے وعدہ کیا۔

فاما یأتینکم منی ھدًی (سورۃ بقرہ ۳۸)

یعنی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت نامہ اور ضابطۂ حیات آئے گا۔ تیری اولاد کے لئے اس کی تابعداری ضروری ہوگی۔

انسانی ہدایت کی یہ حقیقت دوسری جگہ یوں بیان کی گئی ہے۔

یٰبنی اٰدم اِمّا یاتینّکم رسلٌ مِنکُم یقصون علیکم اٰیٰتی (الاعراف ۳۴)

اے اولادِ آدم تمہارے پاس میرے رسول آئیں گے جو میری آیتیں بیان کریں گے۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کے لئے ضابطۂ حیات کی تقرری اور تعین کے لئے دو راہیں متعین کیں۔ ایک "ھدٰی" یعنی ہدایت اور دوسری راہ "رسول" ہے۔ گویا رحمانی قانون کے مآخذ اور مراجع اصولی طور پر یہ دونوں ٹھہرائے گئے۔

رحمانی قانون کے مآخذ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے کتنی کتابیں نازل کی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک سو چار کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں۔ دس صحائف حضرت آدمؑ پر۔ پچاس صحائف حضرت شیثؑ پر۔ تیس صحائف حضرت ادریسؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ پر دس صحائف اتارے اور چار بڑی کتابیں نازل کیں۔ جو تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں۔

یہ ایک سو چار کتابیں حقیقت میں رحمانی قانون کے مختلف ایڈیشن اور نسخے ہیں پھر قانون کا یہ اہم کام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے لیا گیا۔ گویا ماضی میں یہ دو راہ یعنی ھدی اور رسول متعین تھیں۔ لیکن جب رحمانی قانون کا آخری کامل اور مکمل نسخہ "قرآن" کی شکل میں خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آئندہ کے لئے سلسلۂ نبوت ختم کر کے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں طریقوں کے ساتھ دوسرے دو طریقے اور بھی شامل کئے۔ جس کو "اجماع امت" اور "قیاس" کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی
و اطیعوا الرسول و اولی الامر	تابعداری کرو اور اولی الامر کی تابعداری کرو

منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ اور اگر کسی چیز میں جھگڑا پڑے تو اللہ اور
الی اللہ والرسول (سورۃ النساء ۵۹) رسول ؐ کے احکام کی طرف رجوع کرو۔
اس آیت میں رحمانی ہدایت کے مآخذ اربعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ اسلامی قانون اور رحمانی ہدایت کے چار مآخذ ہیں۔ اطیعوا اللہ سے کتاب اللہ، اطیعوا الرسول سے سنت الرسول، اولی الامر سے اجماع اور فردوہ الی اللہ والرسول سے قیاس کی طرف اشارہ ہے۔

گویا اسلامی قانون کبھی آدم اور صحف آدم کی شکل میں آیا۔ کبھی شیث ؑ کے پچاس نسخوں میں آیا۔ کبھی ادریس اور صحف ادریس کی شکل میں آیا۔ کبھی ابراہیم ؑ اور صحف ابراہیم کی شکل میں وضع ہوا۔ کبھی داؤد اور زبور، کبھی موسیٰ اور توریت اور کبھی عیسیٰ اور انجیل کی شکل میں آیا۔ اور آخری ناقابل ترمیم مسودہ " قرآن " کی شکل میں اترا۔ جس کی تفصیل سنت رسول ؐ، اجماع امت اور قیاس سے کرائی گئی۔

اسلامی قانون کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات | اسلامی قانون کی خصوصیات اور امتیازات یا تقابلی مطالعہ کے بغیر ہمارے مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانی قانون کے مقابلہ میں رحمانی قانون انسانی معاشرہ کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اور یہ صرف ہم نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے۔ کہ اسلامی قانون سے زیادہ کوئی دوسرا قانون وقت اور حالت کے لئے مناسب نہیں۔

ڈاکٹر سیموئیل لکھتے ہیں کہ قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کے لئے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرتی ہیں۔ اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنت میں گونجتا ہے۔

۲۔ مسٹر ولف کہتا ہے۔ وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، انصاف و عدالت، فوجی تنظیم و مالیات اور غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے۔
قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو دیں قرآن ان سب سے افضل ہے۔ (علوم القرآن ص ۴۳)

اسلامی قانون کے اہم شعبے | اگرچہ قانون کا شعبہ " دستوری قانون " CONSTITUTIONL LAW انتظامی قانون ADMISTRATIVE LAW اور خارجہ پالیسی کا پورا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور عملی تجربہ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں نمایاں ہے۔ دستوری قانون اور انتظامی قانون اظہر من الشمس ہیں کہ ہمارا دستور قرآن و سنت ہے۔ اور اس میں ہر ایک کے اختیارات محدود ہیں۔ اور خارجی پالیسی بھی واضح ہو

کہ تعلقات جوڑنے اور توڑنے کے لئے اسلام ہی بنیادی سبب قرار دیا گیا ہے۔ تاہم غیر مسلم ممالک سے معاملات اور تعلقات رکھنے میں رخصت دے کر تمام دنیا سے خارجی پالیسی بنانے کی اجازت دی ہے لیکن دوستی کا ہاتھ صرف اسلامی ممالک کے ساتھ بڑھایا جائے گا۔

موجودہ وقت میں بین الاقوامی یا ملکی قوانین کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قانون کے دو شعبے بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ رعیت کی خوشحالی و ترقی اور امن و امان کا مسئلہ ان دونوں شعبوں سے تعلق رکھتا ہے جس میں پہلا شعبہ شخصی قانون PERSONAL LAW اور دوسرا شعبہ ملکی قوانین PUBLIC LAW ہے۔ ہم پوری تفصیل بیان کئے بغیر ان دونوں شعبوں کا ایک طائرانہ جائزہ لیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسانی معاشرہ کی خوشحالی کا راز اسلامی قانون میں مضمر ہے۔

اسلام کا شخصی قانون | شخصی قانون کا تعلق عموماً فرد اور خاندان سے ہوتا ہے۔ اسلام میں فرد کے اصلاح کے لئے تین چیزیں خصوصی طور پر بیان کی گئی ہیں۔ جو نماز، روزہ اور حج ہیں۔ ان تینوں عبادات سے اصلاح نفس ہوتی ہے۔ مفسرین ان تینوں سے "امور مصلحہ للنفس" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان تینوں عبادات میں باقاعدگی سے انسان میں اتباع قانون ایثار اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ کتابوں کے ابتداء میں ہوتا رہتا ہے۔

ان تینوں امور کے بعد گھرانے اور خاندان کے جوڑنے کے لئے نکاح، مہر، نفقہ، حضانت، طلاق کے دفعات کتاب النکاح میں بیان ہوتے ہیں تاکہ اس سے انسان ایک خوشحال گھرانہ میں زندگی بسر کر سکے اور طلاق کے قانون پر سہولت دی گئی کہ بصورت ناچاقی خلاصی ممکن ہو۔ گذر اوقات کے لئے اسباب ملک میں بیع و شراء (خرید و فروخت) وصیت، ہبہ، شفعہ، وراثت وغیرہ قوانین معاملات میں بیان ہوئے ہیں تاکہ ملکیت کے اسباب متعین ہوں۔ کسی ایک کو دوسرے کی جائیداد پر ناجائز قبضہ جمانے کا موقع نہ مل سکے۔ موت کی صورت میں میت کی جائیداد میں زور آزمائی، ظلم و ستم اور زیادتی سے بچنے کے لئے وراثت کا عظیم قانون موجود ہے۔

اسلام کا ملکی قانون |

PUBLIC LAW میں چند چیزوں کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کو قانون میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حفاظت نفس۔ ۲۔ حفاظت نسب۔ ۳۔ حفاظت مذہب۔ ۴۔ حفاظت مال۔ ۵۔ حفاظت عقل۔ ۶۔ حفاظت عزت۔ اسلامی قانون میں بحمداللہ ان چھ چیزوں کو تحفظ حاصل ہے۔ وہ کسی دوسرے نظام میں میسر نہیں۔

حفاظت نفس | حفاظت نفس کے لئے قرآن نے دوٹوک اعلان کیا۔

"کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" اس سے قصاص کا منصفانہ قانون نافذ ہوا تاکہ کسی شخص کا خون رائیگاں نہ گرنے پائے۔ یہاں تک کہ دوسرے امور میں خطا کو اللہ تعالیٰ نے معاف کیا۔ یعنی حقوق اللہ میں اگر غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وہ معاف کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رفع عن امتی الخطاء والنسیان میری امت کی خطا اور بھول معاف ہے۔

لیکن انسانی قتل میں خطا کی صورت میں کفارہ اور دیت واجب قرار دی۔ پھر بھی اگر کسی جگہ قاتل معلوم نہ ہو تو پھر محلہ والوں کے لئے "قسامت" کا قانون نافذ کر کے دیت کی وصولی کے لئے عام اہل محلہ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا انسانی نفس تو کیا انسان کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ایک ایک پور کی حفاظت کر لی گئی۔ کہ ایک پور کے بدلہ ۱/۳ حصہ دیت واجب ہو گی۔

حفاظت نسب | آج آپ ترقی یافتہ ممالک کی حالت دیکھیں جنسی خواہشات کے شکار ہو کر نسب کہیں محفوظ نہیں۔ اسلام نے حفاظت نسب کی ایسی حفاظت کی کہ چند سال قبل ہندوستان کے اعلیٰ عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ چادر اور چار دیواری کی حفاظت اگر مقصود ہو تو مسلمانوں کے قانون رجم اور حد پر عمل کرنا چاہیئے۔ زنا اور حرام کاری کی ممانعت کے علاوہ فساد نسب سے بچنے کے لئے نظر کی حفاظت لازمی قرار دی گئی کہ مسلمان مرد اور عورت کو چاہیئے کہ اپنی نظر نیچے رکھے۔ پردہ لازمی قرار دے کر غیر محرم عورتوں سے خلوت اور ناجائز اختلاط ممنوع قرار دے کر فحش کاری کی بیخ کی گئی۔ زنا کی صورت میں شادی شدہ کو رجم اور غیر شادی کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا فرمایا

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلد زنا کار مرد اور عورت کو سو کوڑے لگا دئے جائیں۔

حفاظت مذہب | انسان کو عقیدہ اور مذہب بڑا پیارا ہوتا ہے۔ اسلام میں "ذمی" کی حقیقت تسلیم کرنے کے بعد اس کے مذہبی اور اعتقادی مسائل میں دخل اندازی ممنوع قرار دی گئی۔ لیکن جو ہمارا ابدی اور ازلی مذہب ہے اس کی مخالفت حد ارتداد سے کی گئی کہ

من بدل دینہ فاقتلوہ جس نے دین تبدیل کیا اس کو قتل کرو۔

حفاظت مال | مال و دولت کی حفاظت موجودہ وقت کا بڑا اہم مسئلہ ہے۔ آج دولت ہماری حفاظت نہیں کر سکتی ہے۔ بلکہ ہمیں دولت کی حفاظت کرنی ہو گی۔ اسلام میں پہلے انسان کو حلال خوری کی ترغیب دے کر اس کے حلال مال کی حفاظت یوں کی گئی کہ غیر شرعی طریقہ سے کسی مسلمان کا مال کھانا حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈھاکہ، دھوکا اور چوری جرم قرار دی گئی۔ اور اگر ایک شخص کسی کے حلال مال پر دست درازی کرے تو اس پر "حد سرقہ" جاری کرنا ہو گا۔ مستقل حکم یہ دیا گیا:۔ "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما" چور مرد اور عورت

کا ہاتھ کاٹ دیا جاتے۔

حفاظت عقل | عقل انسان کا وہ جوہر ہے جس کو محفوظ رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آج ہمارے موجودہ وقت میں منشیات کی وبا حکومتوں کے لئے وقت کا عظیم چیلنج بنا ہوا ہے۔ خود امریکہ اس میدان میں حیران ہے۔ لاکھوں نوجوان اس مکروہ نشہ کے شکار ہو کر خودکشی پر آمادہ ہو رہے ہیں۔ لیکن دنیا حیران ہے۔ میرا بحیثیت مسلمان یہ عقیدہ ہے۔ کہ اگر حد شرب خمر کا مطالعہ کر کے "کتاب الاشربہ" کے باب کا قانون نافذ کیا جائے اور حد شرب خمر نافذ کیا جائے تو ملک میں ایک ہیروئن والا بھی نہیں رہے گا اور عقل کی یہ حفاظت حد شرب الخمر کی صورت میں موجود ہے۔

حفاظت عزت | انسان کی قیمتی جوہر عزت ہے۔ دنیا میں ہتک عزت کا قانون موجود ہے لیکن اسلام کا یہ دفعہ سب سے اہم اور نرالا ہے۔ اس میں ایک شخص کسی دوسرے کو زانی یا چور کے قبیح جیسے القاب سے نہیں پکار سکتا ہے۔ ورنہ حد قذف کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ اس کے علاوہ ہر وہ کلمات کسی مسلمان شخص کے حق میں استعمال قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا جس سے اس کی عزت پہ زد پڑتا ہو۔

مولانا محمد رمضان علویؒ کا سانحۂ ارتحال

دو تین ماہ قبل جنوری ۱۹۹۰ء کے درمیانی عشرہ کے اواخر میں تقریباً پون صدی تک اسلاف کے مزاج و مذاق اور قدیم روایات کو زندہ رکھنے والے بزرگ مولانا محمد رمضان صاحب علوی امام و خطیب گلشنِ اقبال راولپنڈی بھی ہم سے روٹھ کر عالم جاوداں کو سدھار گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــــ بلاشبہ مولانا مرحوم یادگارِ زمانہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کی اٹھک بیٹھک اور ملنے ملانے سے اکابر علماء حق اور کبار اسلاف کرام کی خوشبو محسوس ہوتی تھی قرآن کریم کی تلاوت سے مولانا مرحوم کو بے حد عشق اور قرآنی افکار و تعلیمات سے بے پناہ شغف تھا۔ اپنی تمام اولاد اور احفاد کو عالم حافظ اور قاری بنایا۔ اولاد و احفاد اور محبوب تلامذہ کو اس سٹیج تک پہنچانے میں آپ نے قدم بقدم جو محنتیں کیں اس کا ثمرۂ شیریں اور میٹھا پھل آج آپ کو مل گیا ہوگا ـــــ ادارہ الحق حضرت مرحوم کے علمی اور عملی اور نسبی جانشینوں بالخصوص مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی، مولانا عزیز الرحمٰن خورشید اور مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب کے ساتھ غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللّٰھم اغفرہ وارحمہ (ادارہ)

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر
شیشہ
خواجہ کا
KGI
خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہ پاکستان —— حسن ابدال
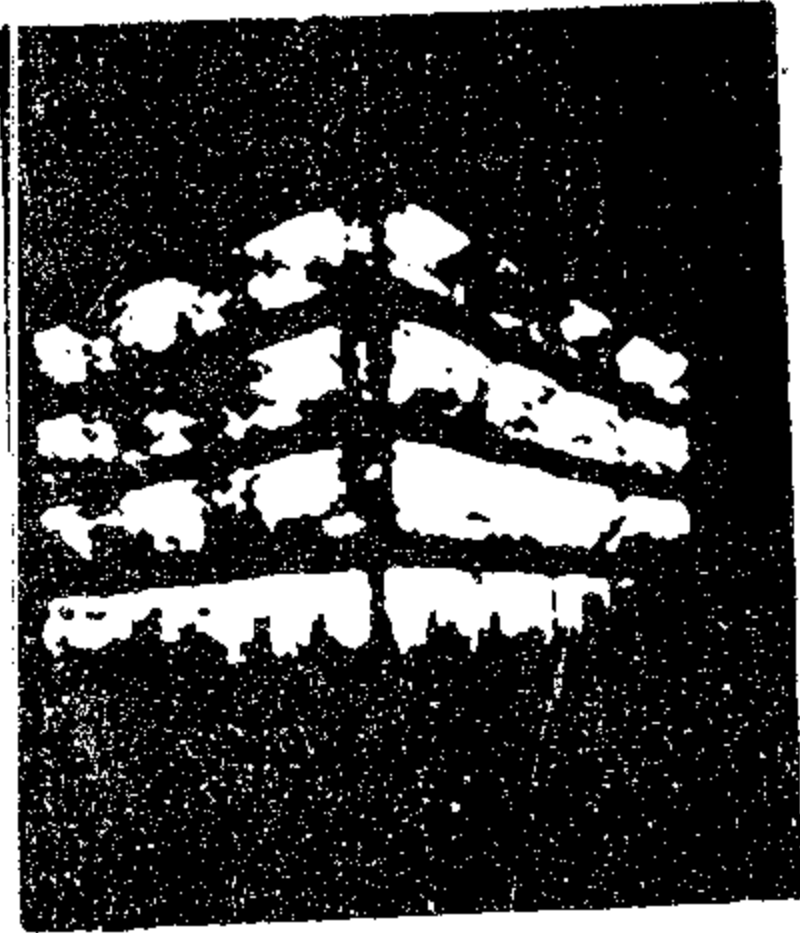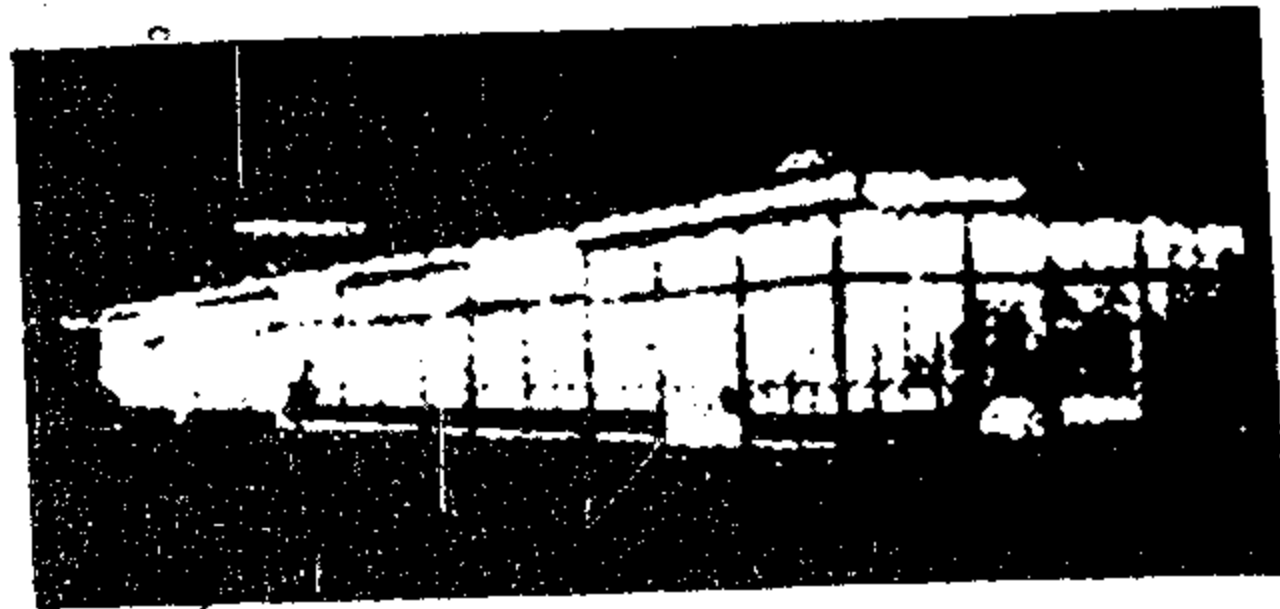
قارئین بنام مدیر۔

افکار و تاثرات
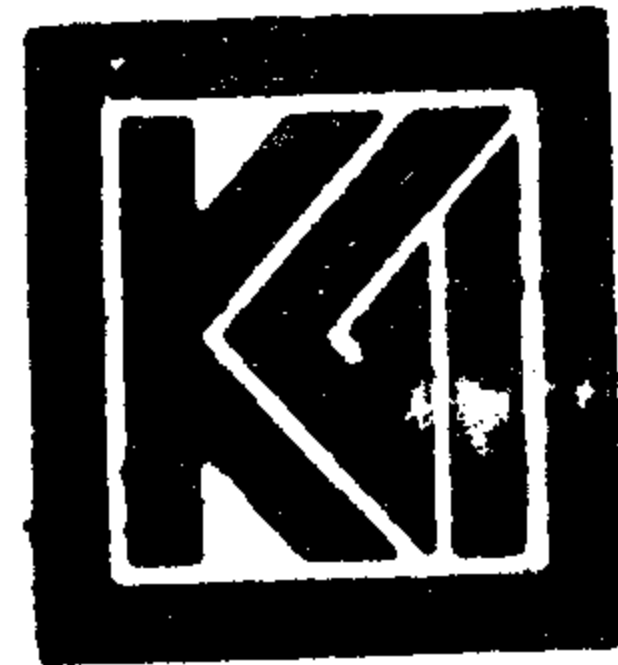
- ★ روزنامہ نوائے وقت کا ادارتی کالم —— ظہیر سیر ایڈوکیٹ
- ★ وسطِ ایشیا کی مسلمان ریاستیں —— اکرم واسطی لاہور
- ★ مغربی افریقہ میں قادیانیت کا تعاقب —— محمد انور فاروقی
- ★ حفظ قرآن پر سزا میں تخفیف —— ابوالقاسم
- ★ ضربِ مومن اور الحق کی ادارتی تحریر —— جنرل حمید گل
- ★ اہلسنت کب بیدار ہوں گے —— انجمن سپاہ صحابہ

مولانا سمیع الحق کے اظہارِ حق پر روزنامہ نوائے وقت کا ادارتی کالم

روزنامہ نوائے وقت نے اپنی ایک اشاعت کے ادارتی صفحات میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے بیان کہ :۔
"موجودہ دور میں اہم ترین اور بنیادی مسئلہ اسلام کا نفاذ ہے۔ لیکن موجودہ اسمبلیوں کے ذریعہ نظام نہیں بدلا جا سکتا" کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ فاضل اداریہ نگار نے مولانا کے بیان کو سیاق و سباق کے حوالے سے نہیں پڑھا ورنہ وہ خود مولانا کے بیان کی تائید کرتے۔ حضرت مولانا کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ طرزِ حکومت خالصتاً مغربی جمہوری نظام ہے۔ جس میں ملک کی اعلیٰ عدالت کے سربراہ کا ووٹ بھی ایک بدمعاش، جاہل اور گنوار شخص کے برابر ہوتا ہے۔ اسی جمہوری نظام کے متعلق شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

نوائے وقت نے مولانا مدظلہ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ :۔
"ملک عزیز پاکستان بھی جمہوریت کی وجہ سے معرضِ وجود میں آیا تھا"

حالاں کہ یہ سراسر جھوٹ اور زیادتی ہے۔ تحریکِ پاکستان کے وقت ہندوستان کی کل آبادی چالیس کروڑ تھی اور صرف آٹھ کروڑ افراد پاکستان بنانے کے حق میں تھے۔ جب کہ بتیس کروڑ اس کے مخالف تھے اگر جمہوری اصول پیش نظر رکھا جاتا تو پاکستان کبھی نہ بنتا۔ پاکستان بنتے وقت گلی اور کوچوں میں جمہوریت کے بجائے پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ کا نعرہ گونجتا تھا۔ پاکستان بنانے والوں کے نزدیک یہاں مغربی طرز جمہوریت کی افزائش کرنا مقصود نہ تھا بلکہ وہ اسے ایک مکمل اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ یار لوگوں نے بیالیس سالوں

سے جمہوریت کی رٹ لگا کر اس ملک کے بنیادی نظریہ اور ڈھانچہ سے غداری کی ہے۔" اسلام "جمہوریت کا مخالف نہیں بلکہ جتنی آزادی اور جمہوریت اس نظام میں ہے شاید کہیں اور ہو۔ دامنِ اسلام کو تو ذرا اٹھا کر دیکھئے۔ آزادی مساوات اور جمہوریت کی درخشاں مثالیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھیں ان کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ امریکہ اور برطانیہ آج جمہوریت کے اعظم گڑھ سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن کیا امریکہ اور برطانیہ میں کالے اور گورے لوگوں کی بستیاں الگ الگ نہیں؟ کیا وہاں جو حقوق گورے لوگوں کو حاصل ہیں وہی حقوق کالے لوگوں کو بھی ہیں؟ کیا آلِ بلالؓ ابھی تک بنیادی حقوق سے عاجز نہیں ہیں؟ لیکن قربان جائیں نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ حقوق اور فرائض میں سب یکساں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ چوری اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ کیا ایسی مثالیں دنیا کے کسی جمہوری نظام میں عملی طور پر موجود ہیں؟ یہاں جرائم بڑے کرتے ہیں اور سزا چھوٹے بھگتتے ہیں۔

اگر ہم صحیح معنوں میں ملک عزیز میں فلاح اور کامرانی کا دور چاہتے ہیں تو یہ موجودہ نظام سے ممکن نہیں ہمیں محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ " فکِ کل نظام " کے تحت ہر نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے اور یہاں صرف اور صرف اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کو عملی طور پر نافذ کرنا ہے۔ اس پس منظر میں اگر مولانا سمیع الحق نے یہ کہا ہے کہ :-

" موجودہ دور میں ہمارا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ قانونِ شریعت کا نفاذ ہے۔ اور یہ کام موجودہ مغربی طرز جمہوریت سے ممکن نہیں " تو سچ اور حق کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مسلمان ہونے کے ناطے سے اپنے ملک میں اسلام کے نظام کو مکمل طور پر نافذ العمل کروانے کی قوت اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین

ظہیر میر ایڈووکیٹ ، مدیر ہفت روزہ خدام الدین۔ لاہور

وسط ایشیا کے مسلمان ریاستوں کی آزادی کی تحریک !

میں آپ کی توجہ مسلمانوں کے ایک نہایت اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آج ساری دنیا میں عموماً اور مشرقی یورپ میں خصوصاً تیزی سے تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ پولینڈ میں ایک NON COMMUNIST حکومت قائم ہو چکی ہے ہنگری میں MULTI PARTY سسٹم نے کام شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح چیکوسلاویکیہ، بلغاریہ اور دوسری ریاستیں بھی کمیونزم کے ظالمانہ نظام کو چھوڑنے کے لئے پر تول رہی ہیں لیکن کوئی آدمی بھی وسط ایشیا کی مسلمان ریاستوں کی آزادی کے لئے نہیں سوچ رہا۔ عیسائی ہوتے ہوئے بش۔ تھیچر وغیرہ کی دلچسپی صرف مشرقی یورپ کو

روس کے دائرہ اثر سے نکلنے میں ہے۔ ان کو وسط ایشیا کی آزادی سے کوئی ہمدردی نہیں۔ حقیقت میں یہ مسلمانوں کا کام ہے۔ لیکن کسی طرف سے بھی کوئی آواز اس پر اٹھ نہیں رہی۔

وسط ایشیا کی خود مختار مسلمان ریاستوں کو زاروں کی حکومت نے ۱۹ ویں صدی میں فتح کرنا شروع کیا تھا حالانکہ یہ کمزور ریاستیں کسی طرح بھی روس کے لئے خطرے کا باعث نہ تھیں۔ اس کی وجہ روسی جارحیت اور توسیع پسندی تھی۔ ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد بھی یہ پالیسی جاری رکھی گئی۔ اور ۱۹۲۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان باقی ریاستوں پر بھی بزور قبضہ کر لیا گیا۔ اور روس میں مدغم ANNEX کر لیا گیا۔ ماضی قریب میں روس مغربی طاقتوں پر تنقید کرنے کے لئے IMPERIALISM اور COLONIALISM پر دن رات بولتا رہتا تھا۔ لیکن اب خود دنیا کی سب سے بڑی EMPIRE بنا کر بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ ۲۰ صدی کے آخیر میں انسانیت کی توہین ہے۔ اگرچہ روسی آئین میں REPUBLIC کو یونین سے علیحدگی کی اجازت ہے لیکن اس پر عمل کی اجازت نہیں۔ جس نے ماضی میں ایسی کوشش کی۔ وہ پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ (جناب اکرم واسطی لاہور)

مغربی افریقہ میں قادیانیت کا بھرپور اور کامیاب تعاقب

عرض یہ ہے کہ گذشتہ دنوں یہ تشویشناک خبر ملی کہ مغربی افریقہ کے ایک مسلمان ملک "جمہوریہ مالی" میں ایک مذہبی راہنما شیخ عمر کانتے نامی شخص کو قادیانی بنا لیا گیا۔ پھر اس شیخ نے اپنے زیر اثر ۵، گاؤں (جن کی تعداد ۳۰ سے ۳۵ ہزار بنتی ہے) کے لوگوں کو قادیانی بنا لیا گیا۔

چنانچہ اس تشویشناک خبر کی اطلاع پر ہماری جماعت کے امیر مرکزیہ شیخ المشائخ حضرت مولانا خان محمد مدظلہ نے حالات کا جائزہ لینے اور صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے ایک عالمی وفد جو مولانا عبدالرحمٰن باوا اور مولانا منظور احمد الحسنی پر مشتمل تھا بھیجا۔ وفد نے جمہوریہ مالی کا پندرہ روزہ (۱۰ جنوری تا یکم فروری) کا دورہ کیا۔ وزیر داخلہ مالی، علمائے کرام اور شیخ عمر کانتے سے ملاقات کی۔ الحمدللہ شیخ عمر کانتے نے قادیانیت سے تائب ہونے اور مرزا قادیانی اور ان کے پیروکاروں کی تکفیر کا اعلان وفد کی موجودگی میں کیا اور اس طرح وہ تمام لوگ جو قادیانیت اختیار کر چکے تھے اب مسلمان ہو گئے۔ وفد کراچی واپس آگیا ہے۔ اور خدا کا فضل ہے کہ قادیانیت کا بھرپور تعاقب کامیاب رہا۔ (محمد انور فاروقی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

حفظِ قرآن پر سزا میں تخفیف

اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ میں اشاعت پذیر ایک خبر کے مطابق سعودی عرب کے امن عامہ کے ڈائریکٹر جنرل

عبداللہ بن عبدالرحمٰن آل الشیخ نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ ”الحائر“ کے جیل خانہ سے ابھی حال ہی میں ایک قیدی رہا کیا گیا ہے جس نے جیل میں پورا قرآن شریف حفظ کیا ہے چنانچہ بطور انعام اس کی سزا نصف کردی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ جب سے خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز کا اعلان آیا ہے کہ حفظ قرآن کے نتیجے میں نصف سزا معاف کردی جائے گی۔ اس وقت سے قیدیوں کے اندر حفظ قرآن کا ذوق و شوق بڑھ گیا ہے۔ اس وقت متعدد جیل خانوں کے اندر قیدیوں کی ایک تعداد حفظ قرآن میں مشغول نظر آتی ہے۔ دوسری طرف جیل کے ذمہ دار ایسے قیدیوں کے ساتھ عام طور سے رعایت کا معاملہ کرتے ہیں اور جن لوگوں کا حفظ مکمل ہو جاتا ہے بغیر کسی پس و پیش کے ان کو رہا کر دیتے ہیں (ابوالقاسم حقانی)

”ضرب مومن“ اور الحق کی ادارتی تحریر

مجھے اپنے لئے آپ کی محبت کا ہمیشہ احساس رہا ہے جس کے لئے میں بہت ممنون ہوں۔ جہاد افغانستان کے ضمن میں میری معمولی سی خدمت کے عوض آپ جیسے خدا پرستوں کے لئے میرے لئے انس اور محبت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور مہربانی ہے ضرب مومن پر الحق کا اداریہ نہایت جامع اور دور رس مقاصد کی نشاندہی کرتا ہے۔ میری اپنی نگاہ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا وقت آگیا ہے اور خداوند عزوجل نے اسلام کے قافلے کی قیادت کا فرض پاکستان کی جھولی میں ڈال دیا ہے لیکن شومیٔ قسمت کہ ہم خود گم گشتہ معلوم ہیں۔ اور اپنے فروعی مسائل سے چھٹکارہ نہیں پا رہے۔ تاہم خداوند تعالیٰ کے اپنے انداز ہیں۔ یقین کامل ہے کہ تاریخ کا رخ متعین ہو چکا ہے۔ جیسے ریت کی دیواروں سے نہیں روکا جا سکتا شاخ نازک پر بنے ہوئے آشیاں لمحہ بہ لمحہ مسمار ہوتے جا رہے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب انشاء اللہ اسلام کا حقیقی پیغام دنیا کے قلب و نظر میں پیوست ہو جائے گا۔ انسانیت کی فلاح و بہبود اسی راستے میں ہے اور یہ قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔

والسلام۔ لفٹیننٹ جنرل حمید گل

اہل سنت کب بیدار ہوں گے

پاکستان میں حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل میں شیعہ ممبران کی تعداد چوگنی کر کے نہ صرف دستور پاکستان کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ نفاذ شریعت کے معاملہ کو ہمیشہ کے لئے کھٹائی میں ڈال دیا ہے۔ اس طرح اعلیٰ عہدوں پر ترقی دینے کا جو نیا وفاقی بورڈ تشکیل دیا گیا ہے اس میں چار میں سے تین وفاقی سکریٹری شیعہ ہیں۔ اور اس کی چیئرپرسن بھی شیعہ ہیں گویا ایران کے ایما پر پاکستان کو ایک شیعہ سٹیٹ بنانے کی تیاریاں مکمل ہو رہی ہیں۔ اہل سنت کب بیدار ہوں گے۔

(اکرام الحق ملنسار۔ انجمن سپاہ صحابہ)

سائنس کی پرواز خدا تعالیٰ کے وجود کی دلیل

✸ گذشتہ ہفتہ برطانیہ کے مختلف حصوں میں شدید طوفان کی وجہ سے کئی افراد ہلاک ہو گئے۔ بڑے بڑے قد آور درخت جڑ سے اکھڑ گئے۔ عمارتیں تباہ ہو گئیں۔ بڑے بڑے وزنی ٹرک الٹنے چلے گئے۔ پورے یورپ میں بھی اس طوفان کی وجہ سے بہت جانی و مالی نقصان ہوا۔ ۱۲۰ میل کی رفتار سے چلنے والا یہ طوفان جب سر سے گذر گیا تو پورے ملک کے لوگوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن جاتے جاتے ایک بحث کا آغاز کر گیا۔ کہ حکومت برطانیہ اور محکمہ موسمیات کے ماہرین نے اس شدید طوفان کی اطلاع کیوں نہ دی۔ کہ جس کے ذریعہ بے شمار انسانی جانیں بچائی جا سکتی تھیں۔ مانچسٹر ایوننگ نیوز نے ۲۶ جنوری کے شمارہ میں کہا کہ موسم کی پیشگوئی کرنے والوں پر ہر جانب سے لعنت و ملامت کی بوچھاڑ جاری ہے۔

اسی طرح ۱۹۸۷ء میں جو طوفان آیا تھا۔ اس کی پیش گوئی میں بھی کوتاہی کی گئی تھی۔ محکمہ پیش گوئی کے ذمہ دار افسروں نے صرف یہ کہہ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی کہ ہم نے چار دن قبل اتنا کہہ دیا تھا کہ طوفان آئے گا لیکن کس طرح آئے گا اور کب آجائے گا اس کا ہمیں بھی علم نہیں۔

اسی طرح محکمہ موسمیات کے ذمہ دار افسروں نے بھی اس طرح کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ برطانوی حکومت کے ایک ترجمان نے کہا کہ ہم ایسی آفات سے لوگوں کو بچانے کا کوئی بھی انتظام نہیں کر سکتے۔

اس خبر کا ایک ایک جملہ عاجزی و بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ کہ سائنس کی پرواز بہت اونچی ہے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ بڑی بڑی سائنسی مشینوں اور آلات کے باوجود سارے آفیسر اور ساری سائنس دھری کی دھری رہ گئی۔ اور چند گھنٹوں میں قیامت برپا ہو گئی۔ ملحد ہو یا بد مذہب اسے ایک دن ماننا ہی پڑتا ہے۔ کہ خدا خدا ہے۔ بندہ بندہ ہے۔ اس کی قدرتوں اور قوتوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔

دانشمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس مالک الملک کو راضی کرے اور اپنے عجز و قصور کا ہر حال میں اعتراف کرے ایسا شخص سرخرو و کامیاب ہے (حافظ محمد ادریس، رسول آباد۔ راولپنڈی)

✸ مولانا مدرار اللہ مدرار اور جناب طالب ہاشمی کے معرکہ کو سر کرنے کے لئے قول فیصل کی ضرورت ہے۔

(مولانا سعد الدین مردان)

✧ علاقہ دامان کے معروف عالم دین حضرت مولانا عبدالمنان صاحب بھی طویل علالت کے بعد اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن مرحوم علاقہ بھر کے مشہور واعظ، جید عالم دین، درویش صفت انسان اور جامع مسجد چودھوان ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے خطیب تھے۔ ان کی ساری زندگی درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور خدمتِ دین میں گذری۔ قارئین سے مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ (محمد نواز چودھوان)

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK

جناب شاہ بلیغ الدین صاحب

صلیبی دُنیا اور ہم

ارشاد فرمایا اللہ کے رسولؐ نے ۔ میں اپنے دادا کی دعا اور اپنے بھائی کی بشارت کے بعد آیا ہوں ۔

دادا سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ ۱۴ ۔ ۱۵ برس کے ہو گئے تو ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ساتھ لے کر خانۂ کعبہ کو پتھر سے بنایا ۔ کعبۃ اللہ کی دیواریں بلند کرتے کرتے انہوں نے دعا مانگی کہ :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اے مولا ہماری نسل سے یعنی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی نسل سے ایک ایسا رسول اٹھا جو تیرے بندوں کو تیرے کلام کی آیتیں سنائے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک و پرہیز گار بنائے تو عزیز و حکیم ہے ۔

بھائی جنہوں نے بشارت دی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو بنی اسرائیل کے سلسلے میں سب سے بعد آئے ۔ ان کے اور اللہ کے آخری رسولؐ کے درمیان کوئی ساڑھے چھ سو برس کا عرصہ ہے ۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد یہودیوں میں دنیا داری بہت بڑھ گئی اور انہوں نے یہوداہ کا بت بنا کر پوجنا بھی شروع کر دیا جیسا کہ انجیل میں آیا ۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کو درست کرنے آئے تھے ان پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن وہ بڑی حد تک انہی احکام شریعت پر عمل کرتے تھے جو حضرت موسیٰؑ کو ملے تھے ہاں اللہ کے حکم سے انہوں نے حلال و حرام چیزوں میں کچھ تبدیلیاں کیں جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے ۔ یہودیت اور عیسائیت میں بڑے زمانے تک ٹھنی رہی ، حتیٰ کہ یہودیوں نے توراۃ کو انجیل سے الگ کر لیا ۔ نتیجہ یہ کہ عیسائیوں کے پاس کوئی دستور حیات باقی نہ رہا ۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے بنیادی تصور حیات ہی کو بدل دیا ۔ کیونکہ یہودی اور رومی بت پرستوں کا ان پر شدید دباؤ تھا ۔ دینِ عیسوی کو بدل دینے کی رہی سہی کسر پاپا پولس (سینٹ پال) نے پوری کر دی ۔ وہ ایک بت پرست گھرانے میں پیدا ہوا ۔ پلا بڑھا ۔ اسی نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا ٹھہرایا اور اپنے آپ کو ان کا رسول بنا کر پیش کیا ۔ یونانی فلسفے پر اسے بڑا عبور تھا ۔ اس نے یونانیوں کے

بہت سے تصورات کو دین عیسوی میں داخل کر دیا اور دنیا سچی نصرانیت سے محروم ہوگئی۔ اور حضرت عیسیٰؑ وحدانیت کا جو پیغام لائے تھے وہ یہودیوں کی سازش کی وجہ سے شرک اور بت پرستی میں بدل گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمے یعنی لفظ کن سے پیدا کیا۔ ارشاد نبویؐ ہے۔ یہ کلمہ حضرت مریم کی طرف بھیجا گیا اور حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ ایک معجزہ ہے لیکن ایسا معجزہ نہیں جو پہلا ہو ان سے پہلے حضرت حوا اور سب سے پہلے حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت آدمؑ اس خصوصیت کے باوجود اللہ کے بندے اور رسول تھے اللہ کے بیٹے نہیں تھے۔ قرآن نے یہی بات ہمیں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بتائی کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جیسے اور پیغمبر ہیں۔ حضرت عیسیٰ السلام کو ہم پیغمبر مانتے ہیں اور ان کی تعلیمات کو جس میں وحدانیت نماز اور روزے اور خیر کی تلقین ہے صحیح مانتے ہیں۔ یہود نے نہ ان کی زندگی میں انہیں پیغمبر مانا اور نہ آج انہیں پیغمبر مانتے ہیں۔ اسلام نے نصرانیوں کو اہل کتاب تسلیم کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ممتاز نصرانی ورقہ بن نوفل تھے جنہوں نے اللہ کے آخری رسولؐ کی نبوت کی تصدیق کی یہ نصرانیوں سے محبت ہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ ہجرت کے بعد جب اللہ کے رسولؐ نے اسلامی مملکت بنائی تو میثاق مدینہ میں نصرانیوں کو بھی شریک کیا۔ نصرانی اسلامی سلطنت سے کبھی نکالے نہیں گئے۔ ہر دور میں ان کے ساتھ برادرانہ اور رفیقانہ سلوک ہوتا رہا۔ شام کا علاقہ فتح ہوا تو بے شمار نصرانیوں کو نہ صرف اپنے مذہب پر رہنے کی آزادی تھی بلکہ انہیں ہر طرح کی معاشی آزادی بھی دی گئی۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد ان کی عبادت گاہوں کا احترام کیا گیا۔ صفرینوس لاٹ پادری نے جب حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ وہ گرجا میں نماز پڑھیں تو انہوں نے فرمایا ـــ میں اسے پاک جگہ سمجھتا ہوں اور یہاں نماز پڑھ سکتا ہوں لیکن اس لیے یہاں نماز نہ پڑھوں گا کہ کہیں بعد میں اس جگہ کو مسجد بنانے کا جواز پیدا نہ ہو جائے۔ حضرت عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا تو وہاں کے پادری کو جسے نصرانی رومیوں نے جبر کر کے بھگا دیا تھا واپس بلایا اور اس کے منصب پر برقرار رکھا۔ بیت المال سے نصرانی غریبوں کو مالی امداد ملتی تھی۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران میں بھی جو سلوک صلاح الدین ایوبی نے رچرڈ اور اس کی فوج سے کیا وہ حسن سلوک کا بہترین مظاہرہ ہے۔ اس کے باوجود آج جو خلیج ہمارے درمیان میں حائل ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو تاریخ بتاتی ہے کہ اس میں یہودیوں اور متعصب مشنریوں کا ہاتھ ہے۔ مستشرقین نے اپنے پڑھنے والوں کو ہمیشہ اسلام کی شکل بگاڑ کر دکھائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رکیک حملے کیے۔ حالانکہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کا پوری طرح احترام کیا۔ آج مغرب کے لکھنے والے اپنے متعصب مورخین کی غلطی محسوس کرتے ہیں۔ جی۔ ایچ۔ جینس اپنی کتاب ملی ٹنٹ اسلام میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ

[…] دنیا ساری ترقی اور تمام تر جمہوری طرز فکر کے باوجود ابھی تک اسلام کے نام سے اپنی نفرت اور غصے پر قابو نہ پا […] قرطبہ اور غرناطہ کے علمی ذخائر سے اپنے اندر بیداری کی لہر پیدا کرنے والوں نے اندلس میں جس سفاکانہ […] کا ثبوت دیا وہ اسلام دشمنی کے سوا اور کیا ہے؟ یورپ کے عیسائی شاہی خاندانوں نے آپس میں بہت […] لڑی ہیں حتیٰ کہ سو سالہ جنگ بھی کی ہے۔ لیکن غیظ و غضب کا وہ انداز جو اسلامی اسپین اور صلیبی جنگوں […] نظر آتا ہے کہیں نہیں ملتا۔ بڑی علمی ترقی کے باوجود اس دور میں بھی اہل صلیب نے الجزائر، مراکش، سوڈان […] مصر اور ۱۸۵۷ء کے آگے پیچھے ہندوستان میں جتنے بہیمانہ مظالم توڑے وہ سب صلیب ہی کے نام پر […] خلافت عثمانیہ کو تار تار کرنے کے لئے ترکوں اور عربوں کو لڑا کر اسلام ہی کو مٹانے کی کوشش کی گئی تھی […] فلسطین میں صیہونیت اور صلیب کا گٹھ جوڑ بھی صرف اسلام ہی کے خلاف ہے یہ اور بات ہے کہ برائے نام ہمارے […] اب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مسلمان دب سکتا ہے لیکن مر نہیں سکتا۔

یورپ کی نشاط ثانیہ کے بعد اسلام کے خلاف سب سے زہریلا پروپیگنڈا علمی دنیا میں مستشرقین […] انہوں نے جان بوجھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کردار کشی کے لئے مختلف گھڑی ہوئی روایتوں کا […] لیا۔ جیسے حضرت زینبؓ بنت جحش سے شادی کے مسئلے ہیں۔ ان کی نظر ہمیشہ اس بات پر رہی کہ کوئی […] جائے اور اسلام کا مضحکہ اڑایا جا سکے تحقیق اور تاریخ نویسی کا حق انہوں نے ادا نہیں کیا چاہے […] میور ہو یا سوانحہ اسمتھ یا منٹگمری واٹ حتیٰ کہ پروفیسر مارٹن لنگز بھی اسلام کو صحیح طریقے پر پیش کرنے […] رہے ہیں۔ اور کی تحریروں کے پس پردہ تعصب کی کھلی جھلکیاں ہیں۔

صلیبی دنیا اگر اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی تعلیمات کا احترام کیا ہے تو […] کی کے دور میں داخل ہو سکتی ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرہ کتب

نقشِ دوام | تالیف: جناب انظر شاہ مسعودی ۔ صفحات ۴۶۷ ۔ قیمت ۹۰ روپے

ناشر: فیمس بکس، الوہاب مارکیٹ، اردو بازار ۔ لاہور

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری ان عبقری شخصیتوں میں سے تھے جن کا فیض عالمگیر اور محبوبیت عام قلوب کی
ت ہوتی ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور صدیوں کو علم و فضل سے رنگین کر جاتی ہے ۔ اکابر علماء اور تلامذہ انہیں
پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے ۔ علم میں اپنی مثال آپ تھے ۔ علمی حیثیت سے بھی ہمہ جہت نور میں ڈھلے ہوئے تھے ۔
ے چہرۂ انور کو دیکھ کر غیر مسلم بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "اگر اسلام مجسم صورت میں آتا تو وہ علامہ انور شاہ کشمیری
ورت میں ہوتا ۔ محدث العصر علامہ بنوری کی عربی میں مولانا مرحوم پر عظیم سوانح " نفحۃ العنبر " اور متعدد اردو
یحات کے ہوتے ہوئے بھی ایک مکمل مفصل جامع وحاوی اور قابلِ وثوق تذکرہ وسوانح کا قرض تاہنوز مرحوم
توسلین کے ذمہ تھا ۔ خدا جزائے خیر دے مولانا انظر شاہ مسعودی کو جنہوں نے " صاحب البیت ادری بما فیہ "
پیشِ نظر یہ فرض بطریق احسن نبھایا ۔ اور اس میں کامیاب بھی ہوئے اور نقشِ دوام ایسی لکھی کہ جہاں سے
ع کیا جائے دل گواہی دیتا ہے کہ " جا ایں جا است " پھر اندازِ تحریر بھی ایسا کہ سمندر دل کو کوزہ میں بند کر دیا
ہے ۔ کتاب کے مطالعہ سے صاحبِ سوانح کی عظمت و تاریخ سے آگاہی کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند اور بہت
ظیم علمی ہستیوں کا تعارف بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔

پیشِ نظر کتاب کسی ایک بھی علمی حصہ کی تاریخ نہیں بلکہ علوم و کمالات کے بہت سے گوشوں کی تاریخ ہے
قارئین اس کی بھرپور قدر کریں گے ۔ (ع ق ح)

تدقیق الکلام ۔ جلد اول | تالیف: شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر صاحب ۔ صفحات ۲۴۴ ۔ قیمت ۶۰ روپے

ناشر: کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ ۔ راجہ بازار ۔ راولپنڈی

متنوع اور متعدد فروعی اور اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت خلف الامام یا ترک القرأت خلف الامام
ی ہے ۔ جو عہدِ نبوت سے تاہنوز اختلافی چلا آرہا ہے ۔ مگر بعض نادان دوستوں نے اس میں نہایت غلو اور تعصب

کا مظاہرہ کیا۔ تمام احناف کو چیلنج کیا ان کی نماز کو باطل اور ان کو فی النار والسقر تک کا فقیہانہ حکم سنایا احسن الکلا
ایسے ہی باطل دعاوی اور تعصب کا ردعمل ہے جس میں قطعی اور صریح و صحیح احادیث سے مقتدی کا وظیفہ
ترک القرأت خلف الامام ثابت کیا گیا ہے۔ اور بحث بھی محققانہ اور عالمانہ کی گئی ہے۔ تدقیق الکلام شیخ الحدیث
حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم کی تصنیف لطیف ہے۔ موصوف علم و فقہ اور تدریسی حلقوں میں
مقبول اور ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں محدث یگانہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

تدقیق الکلام کے مطالعہ سے مسئلہ زیر بحث میں قوی وضعیف دلائل راجح و مرجوح اقوال کا اچھی طرح امتیاز
کر سکیں گے۔ اور اس سے مسئلہ قرأت خلف الامام کی پوری حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی۔

ہمیں یقین ہے کہ خالص علمی و تحقیقی انداز کی یہ کتاب کے استفاصہ مسلک حق معتدلہ کی توضیح اور سواد اعظم
اہلسنت کے لئے ایک قیمتی سوغات ثابت ہوگی۔ طباعت عمدہ، جلد بندی سنہری اور مضبوط اور قیمت معقول
ہے (ع ق ح)

تذکار صحابیات | تالیف جناب طالب ہاشمی صاحب۔ صفحات ۶۰۰۔ قیمت ۵۰ روپے

پتہ۔ البدر پبلی کیشنز ۲۳۔ راحت مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور ۲

کتاب و سنت سے ناآشنا معاشرہ اور مغربی تہذیب کے اژدہا اور عفریت کے دہانے کھڑی معاشرت انسا
آبادی کے نصف سے زائد حصہ صنف نازک (عورت) کے خود پیدا کردہ مسائل سے دوچار ہے اور علمبردار ان
تہذیب اس کوشش میں ہیں کہ عورت کو صفات نسوانی سے یکسر خالی کر دیا جائے۔ یہ رونق خانہ کم اور شمع محفل زیا
ہو۔ فیا للعجب والی اللہ المشتکیٰ۔ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا اور اس نے اسلام کے عطا کردہ حقوق کی روشنی
میں اور اپنی صحیح فطرت کے دائرہ کار میں ستر و حجاب کے تمام شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ماں
ایک بہن ایک بیٹی اور ایک بیوی کے روپ میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دور خیر و سعادت میں ایک مسلمہ مو
قانتہ صادقہ صابرہ خاشعہ ذاکرہ اور مجاہدہ کی حیثیت میں ملت اسلامیہ کی کیا خدمات کی ہیں۔ اور اسلامی معاشرہ میں
کیا کارہائے نمایاں سرانجام دئیے ہیں۔ اس کا جواب جناب طالب ہاشمی صاحب کے پیش نظر کتاب میں ملتا ہے جن
طالب ہاشمی صاحب نے دو صد سے بھی زائد صحابیات کا تذکرہ کر کے اس کتاب کو ایک عظیم تحفہ کی صورت میں
پیش کر دیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے صرف صحابیات کے تراجم اور حالات نہیں بلکہ درحقیقت عہد نبویؐ اور عہد خلفائے
راشدین کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ بطور نمونہ کتاب کا ایک اقتباس پیش ہے۔ صفحہ ۱۲۰
میں حضرت ام خلاد انصاریہؓ کے بیان میں جب کہ آپ نے اپنے بیٹے کی شہادت کے موقع پر ستر و حجاب کو برقر

رکھا تو ایک شخص نے پوچھا۔

"بی بی تعجب ہے کہ ایسے مصیبت کے وقت بھی تم نے چہرہ پہ نقاب ڈال رکھی ہے "

آپ نے جواب میں فرمایا۔ اگر میں نے اپنا بیٹا کھو یا ہے تو کیا اب شرم و حیا بھی کھو دوں " (قاضی عبدالحلیم حقانی)

سیرت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم | مرتب: محمد رفیق ایم اے۔ صفحات ۵۰، قیمت ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ:- محمد رفیق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ٹیکسلا۔ نزد مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا

پیش نظر کتاب سیرت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل طلبا اور طالبات کے لئے لکھی گئی ہے۔ تاہم عام مسلمانوں کے لئے بھی انتہائی مفید ہے۔ جناب محمد رفیق صاحب کے زیر اہتمام ٹیکسلا میں کافی ہائی و مڈل سکول طلبا اور طالبات کے لئے قائم ہیں۔ اور یہ کتاب ان سکولوں کے نصاب میں داخل ہے۔ کتاب کا انداز ایسا سادہ اور دلنشین ہے کہ بچے اسے شوق سے پڑھتے ہیں۔ کتاب میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر کے مفید مضامین ترتیب دئے گئے ہیں۔ بچوں کی دینی انداز میں تربیت کے لئے اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

اقراء (تین اجزاء) | تالیف۔ جناب محمد بشیر صاحب ایم اے، صفحات ۸۸، ۱۴۷، قیمت مکمل سیٹ ۴۷ روپے۔ ناشر دارالعلم ۶۶۹۔ آب پارہ مارکیٹ۔ اسلام آباد

عربی، قرآن حکیم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل جنت اور اہل اسلام کی مذہبی زبان ہے۔ لغوی اور تحقیقی اعتبار سے عربی " ام الالسنہ " ہے۔ مسلمان کے لئے دینی اور مذہبی نقطہ نظر سے عربی کا اتنا جاننا تو ضروری ہے کہ وہ قرآن حکیم کا ترجمہ احادیث نبوی کا مفہوم سمجھ سکیں۔ اس ضرورت اور احساس کے پیش نظر ہر دور میں علماء اور صالحین نے عربی سیکھنے اور پڑھنے پڑھانے کے لئے ابتدائی درجات کی تعلیمی کتب تالیف کیں۔

جناب محمد بشیر صاحب کی " اقراء " جو جدید عربی کا بہترین ریڈر ہے بھی اسی سلسلہ زریں کی ایک کڑی ہے مبتدیوں کی نفسیات، بچوں کی فطرت اور تفہیم و تسہیل کے ہر ممکنہ پہلو کو ملحوظ رکھ کر یہ کتابیں مرتب کی گئی ہیں۔ دلچسپ اسباق اور آسان مشقوں کے ذریعے سے عربی کے کثیر الاستعمال جملوں اور محاوروں کی تعلیم دی گئی ہے۔

احقر نے ابتدائی درجات کے طلبہ کے لئے اس قدر جامع، سہل اور نافع کتاب عربی زبان کی نہیں دیکھی۔ اساتذہ عربی اور دینی مدارس کے ارباب اختیار اور فروغ عربی کے تعلیمی ادارے اگر ادھر توجہ دیں تو یقین ہے کہ تعلیم عربی میں اقراء سے بہت زیادہ نفع حاصل کیا جا سکتا ہے (ع ق ح)
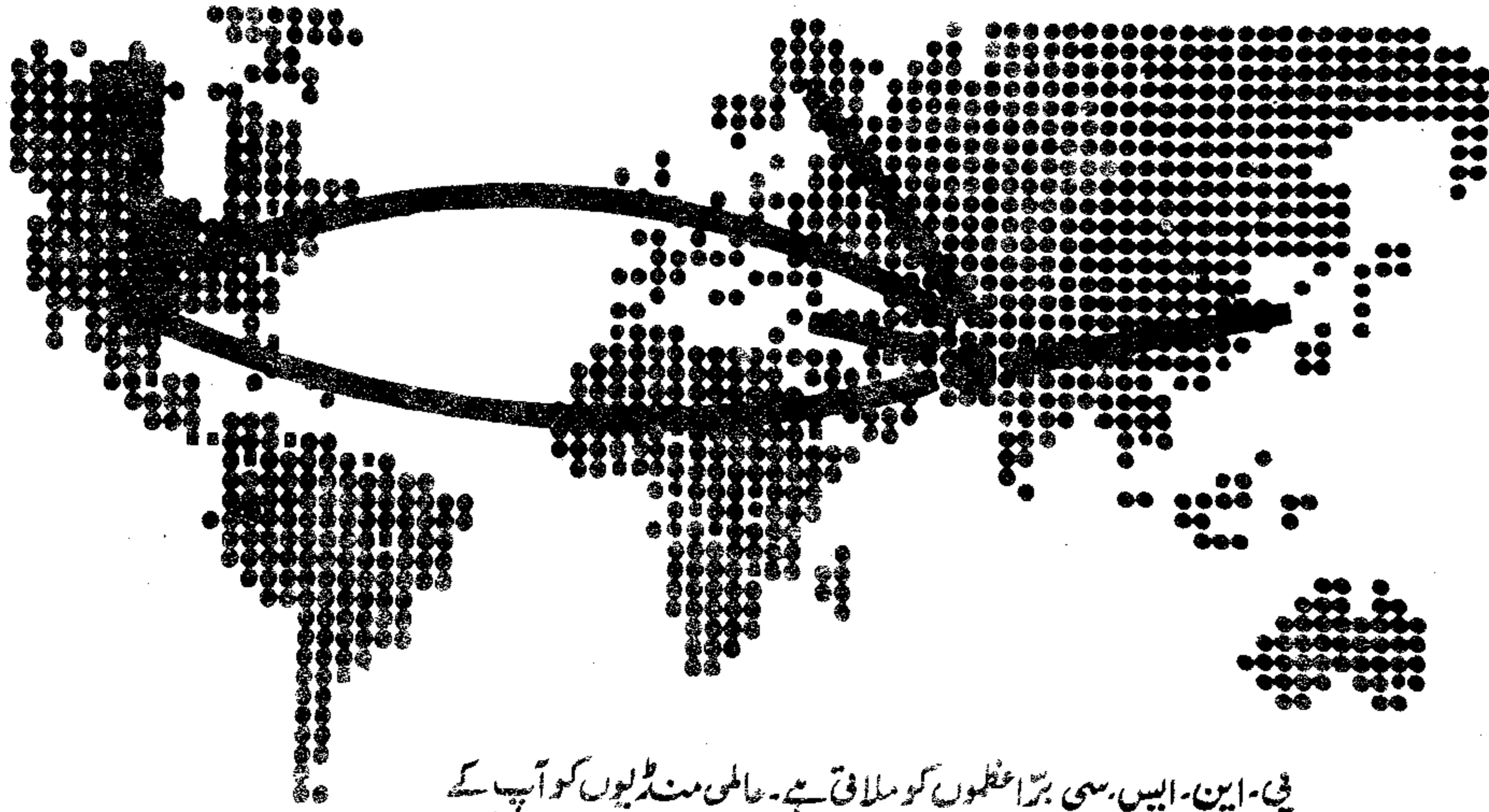
پی۔ این۔ ایس۔ سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔ این۔ ایس۔ سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

PNSC 2 88 PID - Islamabad